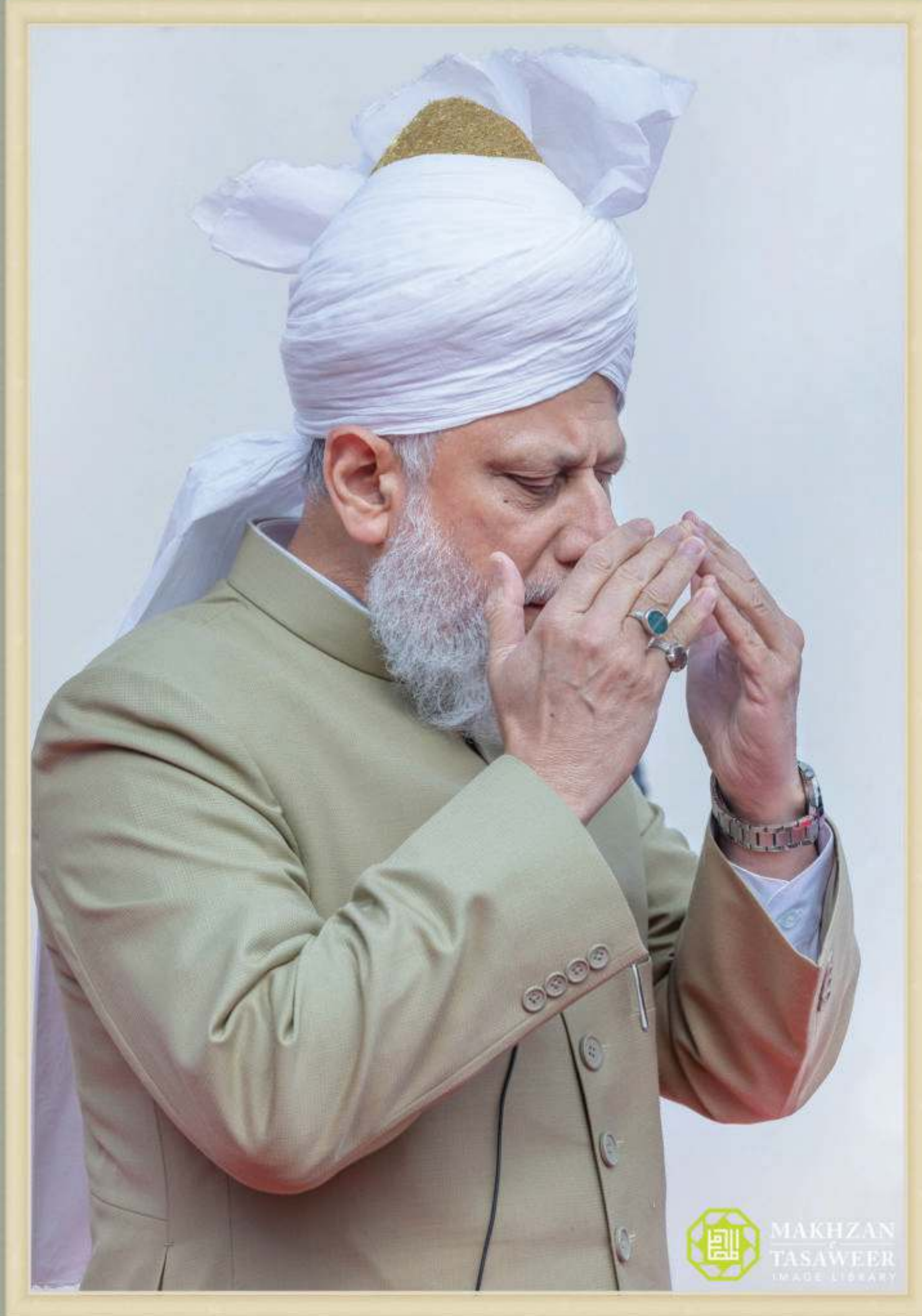
مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۸ نمبر ۳

مئی وجون ۲۰۲۱ء ہجرت احسان ۱۴۰۰ ہجری شمسی رمضان/ شوال/ ذوالقعدۃ ۱۴۴۲ ہجری قمری



(حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلیفۃ المسیح الخامس)

”میں تیرے ساتھ اور
تیرے تمام پیاروں کے ساتھ ہوں۔“

(الہام حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام، تذکرہ، صفحہ ۶۳۰، ایڈیشن چہارم)



MASROOR EYE INSTITUTE

assigned to Majlis Ansarullah UK by beloved Huzoore Aqdas, Mirza Masroor Ahmad, Khalifa-tul-Masih V (may Allah be his Helper).



2 Operating Theatres



8 Bed Ward



250 Seat Auditorium



2 Private Rooms



6 Consultant Rooms

SADQA JAARIYA

Millions of people, including children, are suffering with an eye disease called "Cataract". They are at the risk of blindness if not cured in time.



Masroor Eye Institute, Burkina Faso
A Project of Majlis Ansarullah UK

MAJLIS ANSARULLAH UNITED KINGDOM

Web https://mei2020.org
Call 020 8874 6630
Email helpdesk@ansarullahuk.org











Catering for all eye illnesses and treatments in Burkina Faso including the whole of West Africa









WEST AFRICA



- Operating Theatres
- Inpatient Facilities
- Outpatient Diagnostics
- Consulting Rooms
- Optometrist & Opticians
- Laboratory
- Pharmacy
- 250-Seat Auditorium
- Teaching Facilities
- Telemedicine Options

BURKINA FASO

STATE OF THE ART LATEST EQUIPMENT

Our humble request is for donations and regular payment arrangements towards this noble cause.

Scan & Donate



Standing Order



We can provide further information and assist you in setting up your regular donations.

020 8874 6630

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ
مئی و جون 2021ء

انصارالدین

جلد 18 نمبر 3

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ
کیا آپ حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی
ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے
روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور
ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: نعیم گلزار
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، میر انجم پرویز
ڈیزائننگ: عامر ملک

Ansaruddin
33 Gressenhall Road,
SW18 5QH London
United Kingdom
E: ansaruddin@ansarullahuk.org

درس القرآن

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ أَيَّاماً مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىَ أُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُواْ لِىْ وَلْيُؤْمِنُواْ بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۔

(البقرۃ:184 تا187)

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ گنتی کے چند دن ہیں۔ پس جو بھی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اتنی مدت کے روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ پس جو کوئی بھی نفلی نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور تمہارا روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے امور ہیں۔ پس جو بھی تم میں سے اس مہینے کو دیکھے تو اِس کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی پوری کرنا دوسرے ایام میں ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ تم (سہولت سے) گنتی کو پورا کرو اور اس ہدایت کی بنا پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمہیں عطا کی اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً مَیں قریب ہوں۔ مَیں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہیے کہ وہ بھی میری بات پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ صرف رمضان کے مہینے کو پانا اور اس میں سے گزرنا ہی کافی نہیں ہے یا صرف صبح سحری کھا کر روزہ رکھنا اور شام کو افطاری کر کے روزہ کھولنا ہی روزوں کے مقصد کو پورا نہیں کرتا بلکہ ان روزوں کے ساتھ اور ان روزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ روزوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعض حکم دیے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے ہمیں اپنا قرب عطا فرمانے اور قبولیتِ دعا کی نوید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مذکورہ بالا آیات میں روزوں کی فرضیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا کہ اگر بیماری یا کوئی اور جائز وجہ ہے تو روزوں سے رخصتی کی صورت میں پھر ان کو بعد میں پورا کرنا چاہیے۔ یا پھر اس کا فدیہ ہے اگر کوئی بالکل پورا نہ کر سکے، کوئی لمبی بیماری ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اگر بعد میں روزے رکھنے کی طاقت ہو جائے تو پھر بھی فدیہ دینا بہتر ہے اگر مالی لحاظ سے اس کی طاقت ہے۔

پھر قرآن کریم کی اہمیت اور اس کے نزول کے بارے میں بھی بتا کر ہمیں یہ بتایا کہ اس کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ہدایت اور ایمان میں مضبوطی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اس کی بھیجی ہوئی تعلیم کو سمجھنے کا بھی ذریعہ ہے۔ اور پھر ہمیں یہ خوشخبری دی کہ میرے بندوں کو بتا دے کہ اے نبی میں ان کے قریب ہوں۔ دعاؤں کو سنتا ہوں۔ قبول کرتا ہوں اور رمضان کے مہینے میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نچلے آسمان پر آ جاتا ہے۔ یعنی اپنے بندوں کی دعاؤں کو بہت زیادہ سنتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری دعائیں سنوں تو پھر تمہیں بھی میری باتوں کو ماننا ہوگا۔ مَیں نے جو احکامات دیے ہیں ان پر عمل کرنا ہوگا۔ صرف رمضان کے مہینے میں نہیں بلکہ ان نیکیوں کو مستقل زندگیوں کا حصہ بنانا ہوگا اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کرنا ہوگا۔ پس قبولیت دعا کے لیے بھی بعض شرائط ہیں۔ پس ہم جب ان شرائط کے مطابق اپنی دعاؤں میں حسن پیدا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے قریب اور دعاؤں کو سننے والا پائیں گے۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ فرمودہ 16/اپریل 2021ء سے انتخاب)

حدیث النبی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! اجر کے لحاظ سے سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ تُو اس حالت میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو اور مال کی ضرورت اور حرص رکھتا ہو، غربت سے ڈرتا ہو اور خوشحالی چاہتا ہو۔ صدقہ وخیرات میں ایسی دیر نہ کر یہاں تک جب جان حلق تک پہنچ جائے تو تُو کہے فلاں کو اتنے دے دو اور فلاں کو اتنا۔ حالانکہ وہ مال اب تیرا نہیں رہا وہ تو فلاں کا ہو ہی چکا۔ یعنی اب تیرے اختیار سے نکل چکا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر 1330)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو ایک چادر کی شدید ضرورت تھی۔ ایک صحابیہ نے اپنے ہاتھ سے چادر بُن کر آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ اسے زیب تن کر کے صحابہ کی مجلس میں آئے تو آپؐ کے جسم مبارک پر وہ بہت جچ رہی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ چادر مجھے دے دیں۔ رسول اللہؐ جب مجلس سے واپس تشریف لے گئے تو چادر ان کو بھجوادی۔ دوسرے صحابہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بہت ناراض ہوئے کہ انہوں نے چادر کیوں مانگی مگر انہوں نے کہا کہ میں نے تو یہ چادر اس لئے مانگی تھی کہ مجھے بطور کفن پہنائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب النساء حدیث نمبر 1951)

ایک صحابی حضرت ربیعہ الاسلمیؓ غربت کی وجہ سے شادی نہ کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خود ان کا رشتہ کروایا۔ ولیمہ کا وقت آیا تو حضورؐ نے انہیں فرمایا: عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری لے آؤ۔ وہ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ٹوکری میں تھوڑا سا آٹا ہے اور اس کے علاوہ کھانے کی کوئی اَور چیز نہیں لیکن چونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے اس لئے لے جاؤ۔ چنانچہ اس آٹے سے ولیمے کی روٹیاں پکائی گئیں۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 حدیث نمبر 15982)

حضرت ابو بصرہ غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں قبول اسلام سے قبل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے مجھے بکری کا دودھ پیش کیا جو آپ کے اہل خانہ کے لئے تھا۔ حضورؐ نے مجھے سیر ہو کر وہ دودھ پلایا اور صبح میں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد میں مجھے پتہ لگا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ رات بھوکے رہ کر گزاری جبکہ اس سے پچھلی رات بھی بھوکے گزاری تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 حدیث نمبر 25968)

ایک بار حضرت علیؓ نے کسی معاملہ میں درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا ابھی تو اہلِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں دے دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ بھوک سے ان کے پیٹ دہرے ہوتے رہیں۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اوّل حدیث نمبر 562)

حضرت دکین بن سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم 440 آدمی تھے اور ہم نے حضورؐ سے غلہ مانگا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا اٹھو اور انہیں دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے پاس تو صرف اتنا ہے جو میرے اور میرے بچوں کے لئے گرمی کے موسم میں کفایت کرے۔ آپؐ نے فرمایا اٹھو اور دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر گھر آئے۔ کمرہ کھولا تو وہاں کھجوروں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔ ہم میں سے ہر آدمی نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا۔ مگر خدا کی قدرت کہ اس ڈھیر میں ذرّہ برابر کمی نہ آئی۔ (حلیۃ الاولیاء جلد اوّل صفحہ 365)

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا آج تم میں سے کسی نے مسکین کو کھلایا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ فوراً اٹھے گھر پہنچے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اس سے لے لیا۔ وہ لے کر مسجد گئے اور وہاں ایک سائل ملا تو روٹی کا وہ ٹکڑا اسے دے دیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر 1422)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بہت زیادہ مبتلائے مشقّت ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا آج کی رات اسے کون مہمان کے طور پر ٹھہرائے گا۔ حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ مَیں۔ چنانچہ وہ اسے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کے لئے ہے؟ اس نے کہا سوائے بچوں کے کھانے کے اَور کچھ نہیں۔ انہوں نے بیوی سے کہا: بچوں کو کسی چیز سے بہلا دے اور جب وہ شام کا کھانا مانگیں تو انہیں سلا دے۔ اور جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا۔ چنانچہ انہوں نے مہمان کی آمد پر چراغ گُل کر دیا اور بچوں کو سلا دیا اور خود دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ بیٹھ کر اندھیرے میں منہ ہلاتے رہے گویا کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح گھر کے سب لوگ فاقہ سے رہے اور مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اس واقعہ کی خبر دی۔ حضورؐ نے صبح حضرت ابوطلحہؓ کو بلایا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ رات تم نے مہمان کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ تعالیٰ کو تم دونوں کی یہ بات بہت پسند آئی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الاشربہ حدیث نمبر 3839)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک جمعہ کو ایک بدحال شخص مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی خاطر صدقہ کی تحریک فرمائی۔ صحابہؓ نے کچھ کپڑے پیش کئے تو رسول اللہؐ نے وہ کپڑے اسے دے دیے۔ اگلے جمعہ کو وہ پھر آیا اور رسول اللہؐ نے جب صدقہ کی تحریک کی تو اس نے دو کپڑوں میں سے ایک پیش کر دیا۔ مگر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم اپنا کپڑا اٹھا لو۔ (سنن نسائی کتاب الجمعہ حدیث نمبر 1391)

امام الکلام ۔ کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند منتخب ارشادات پیش ہیں:

''آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلامِ الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جس کے اصول نجات کے بالکل راستی اور وضعِ فطرتی پر مبنی ہیں۔ جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہینِ قویہ ان کی صداقت پر شاہدِ ناطق ہیں۔ جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں۔ جس کی تعلیمات ہر یک طرح کی آمیزشِ شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلی پاک ہیں۔ جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے۔ جس میں یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیتِ جنابِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے اور کسی طرح کا دھبہ، نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذاتِ پاک حضرتِ باری پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم نہیں کرانا چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور ہر یک اصول کی حقیت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں ان تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہر یک فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔ اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے۔ گویا احکامِ قدرتی کا ایک آئینہ ہے اور قانونِ فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے اور بینائی دل اور بصیرتِ قلبی کے لئے ایک آفتابِ چشم افروز ہے۔''

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 ص 81-82)

''کیا صحابہ کرام مفت میں اس درجہ تک پہنچ گئے جو ان کو حاصل ہوا۔ دنیاوی خطابوں کے حاصل کرنے کے لئے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تو پھر کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہوتی، ملتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولا کریم کی رضامندی کا نشان ہے، کیا یونہی آسانی سے مل گیا؟ بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں۔''

(رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 79)

''سو تم اُس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو، نہ اُن کی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو، نہ خودنمائی سے اُن کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو، نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔...... کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور مَیں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔''

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن۔ جلد 19۔ صفحہ 12 تا 13)

''دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی، مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک گویا مالک کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چِڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے۔''

(ملفوظات۔ جدید ایڈیشن۔ جلد چہارم۔ صفحہ 215 تا 216)



فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس انصاراللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع 2006ء کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انصار کو چند اہم تربیتی امور کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ'' مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کیلئے اختیار کرتے اور اسکی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دُور تر لے جاتے ہیں۔''

(تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ 103، تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد چہارم صفحہ 226,225)

تو ایک ناصر جو چالیس سال کی عمر سے اوپر جا چکا ہے، جس کی سوچ میں گہرائی آ جانی چاہیے، جس کو اپنی عمر کے بڑھنے کے ساتھ اپنی زندگی کے کم ہونے کا احساس ہو جانا چاہیے، جس کو اللہ کا خوف پہلے کی نسبت زیادہ ہونا چاہیے، جو آنحضرت ﷺ پر کامل ایمان لاتے ہوئے آپ کے مسیح اور مہدی علیہ السلام کی جماعت میں بھی شامل ہو چکا ہے، اس کے اللہ کے مددگار بننے کے معیار بہت بڑھ جانے چاہئیں۔ ہر وقت یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہم نے خدا کی رضا حاصل کرنی ہے، تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنا ہے، جہاں ہر وقت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے رتی بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہونا۔ گو یہ بہت مشکل کام ہے لیکن ایک مومن کا یہی کام ہے کہ اس طرف توجہ رہے اور پھر ایسے شخص کو جس نے انصاراللہ ہونے کا عہد کیا ہے، ایمان کا یہ اعلیٰ معیار اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی محبت سب محبتوں پر حاوی ہو جائے۔ نہ مال کی محبت ہو، نہ اولاد کی محبت ہو، نہ کسی اور چیز کی محبت ہو۔ یہ معیار ہے جو ایک خالص مومن کو حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

''خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے۔ ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں، ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔''

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر 20 صفحہ 309)

تو دیکھیں یہ ایمان کا معیار ہے اور جیسا کہ میں نے کہا جب انسان اس عمر میں داخل ہوتا ہے، جب آئندہ زندگی تھوڑی نظر آتی ہے یا آ رہی ہوتی ہے تو کس قدر اس امر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کا نعرہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لگایا ہوا نعرہ ہو اور ہمارا ہر قدم جو اس راہ میں اٹھے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر لے جانے والا قدم ہو، وہ صدق سے اٹھا ہوا قدم ہو، سچائی اس میں سے پھوٹ رہی ہو۔ اللہ کی عبادتوں کی طرف بھی ہماری نظر ہو اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کیلئے ہر قربانی دینے کے لیے تیار رہنے کی طرف بھی ہماری توجہ ہو اور اخلاق کے اعلیٰ معیار بھی ہم قائم کر رہے ہوں۔ حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہمارا مطمح نظر ہو اور اپنے اپنے دائرے میں اعلیٰ اخلاق کو پھیلانے اور حقوق العباد ادا کرنے کی طرف ہماری بھرپور کوشش ہو اور ان سب امور میں جن میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی شامل ہیں اور حقوق العباد بھی شامل ہیں ہمارے سے غفلت نہ ہو، کبھی ہم سستی دکھانے والے نہ ہوں۔ جب یہ خصوصیات ہم میں پیدا ہو جائیں گی تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ کہلاتے ہیں اور جنہوں نے اپنی روشن اور چمکدار مثالیں اس عہد کے نبھانے کیلئے قائم کی ہیں۔ یہ دو طرح کے لوگ تھے ایک گروہ مہاجر کہلایا اور ایک گروہ انصار کہلاتا ہے۔''

اداریہ

اطاعتِ رسول کیا ہے؟ خلیفۂ وقت کی آواز پر لبّیک کہنا

یہ خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایک ایسے نظام میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے زیر سایہ دنیا کے کناروں تک وسعت اختیار کر چکا ہے۔ ہر قوم اور ہر ملّت سے تعلق رکھنے والے جاں نثار خلافت کے ایک اشارے پر عمل کرنا سعادت خیال کرتے ہیں۔ اس کا متأثر کُن اظہار اُس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب بارگاہ خلافت کی طرف سے کسی تحریک کا اعلان ہوتا ہے تو مومنین کی جماعت اس تحریک پر لبّیک کہتے ہوئے ہمیشہ اپنے آقا کی توقعات سے کہیں بڑھ کر قربانیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہے۔ پس نظام خلافت عطا ہونے پر جہاں ہمیں خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے وہاں اس عظیم ذمہ داری کے حقوق ادا کرنے کے لیے بھی اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

خلافت کے زیر سایہ جماعتِ مومنین کو عطا ہونے والی عظیم الشان کامیابیوں میں سے ایک مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کا اجرا بھی ہے۔ اسی کے ذریعے زمین کے کناروں تک پھیلی ہوئی جماعتہائے احمدیہ کا خلیفہ وقت سے ایک زندہ تعلق اور مضبوط رابطہ اُستوار ہوتا ہے۔ اس زندہ تعلق میں سب سے بڑھ کر وہ خطبہ جمعہ ہے جو خلیفہ وقت ہر جمعۃ المبارک کے روز ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خلیفۃ المسیح کا ارشاد فرمودہ خطبہ صرف روایتی خطبہ نہیں ہوتا بلکہ قرآن و حدیث اور مہدی آخرالزمانؑ کی تعلیمات کی روشنی میں دیا جانے والا یہ خطبہ دراصل بنی نوع انسان کے لیے عموماً اور احمدیوں کے لیے خصوصاً ایک ایسا پیغام ہوتا ہے جس پر عمل کرنے کے نتیجے میں نہ صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بلکہ تعمیل کرنے والے اُن برکات کے وارث ٹھہرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے خلافت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پاک کلام میں بیان فرمائی ہیں۔

اپنے امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے براہ راست یہ پیغام سننے والے جانتے ہیں کہ اس سعادت کے اثرات کس طرح اُن کی زندگیوں کی بے چینیوں کو تسکین اور خوف کو امن میں بدل دینے کا موجب بنتے ہیں۔ حضور انور کی بیان فرمودہ تحریکات اور جماعت کی روحانی بہتری اور ترقی کے لیے آپ کے پاکیزہ دل کی خواہشات پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اپنی اخلاقی اور روحانی حالتوں کا جائزہ لینے کی توفیق عطا ہوتی ہے اور خلیفہ وقت کے پاکیزہ ارشادات پر دل و جان سے عمل کرنے کے نتیجے میں ایسی برکات نصیب ہوتی ہیں جو محض خلافت حقّہ کے وجود سے وابستہ ہیں اور حسب توفیق مومنین اُن سے اپنی جھولیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔

ہر جمعۃ المبارک ہمارے لیے اپنے امام کے ایک نئے اور اہم پیغام کا ہدیہ لاتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی احمدی براہ راست یہ خطبات نہ سن سکے تو ریکارڈنگ سے استفادہ کرنے تک اُس کی بے چینی قابل دید ہوتی ہے۔ خطبہ جمعہ میں بیان فرمودہ پیغام کی بازگشت اگلے خطبے کے آنے تک نہ صرف جماعتی اخبارات و رسائل کے صفحات میں بلکہ مختلف سطحوں پر منعقد ہونے والے اجلاسات اور ذاتی مجالس میں سنائی دیتی چلی جاتی ہے۔

خلیفہ وقت کے خطبہ جمعہ اور دیگر خطابات و پیغامات میں بیان فرمودہ ارشادات کی تعمیل کس قدر ضروری ہے، اس بارے میں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد پیش ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

’’اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت، تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لیے کھڑے ہو جائیں‘‘۔ (تفسیر کبیر۔ سورۃ نور)

خدا تعالیٰ ہمیں نظام خلافت سے بلند ہونے والی ہر آواز پر بتہِ دل سے سرِتسلیم خم کرتے ہوئے ایسی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے نتیجے میں ہم اس دنیا میں اپنی منزل مقصود حاصل کر لیں اور ہمارا انجام بھی ہر لحاظ سے بخیر ہو جائے۔ آمین

(محمود احمد ملک)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندازِ تربیت

(تیسری اور آخری قسط)

(محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد)

اولاد کی تربیت کے متعلق حضرت اقدسؑ کی ایک روایت مکرمہ سکینہ بیگم صاحبہ اہلیہ ماسٹر احمد حسین صاحب یوں بیان کرتی ہیں کہ

''حضور فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں میں یہ بری عادت ہے کہ ذرا سی بات میں گالیاں اور کوسنوں پر اتر آتی ہیں بجائے اس کے اگر وہ اپنے بچوں کو نرمی سے پیش آئیں اور بجائے گالی کے 'نیک ہو' کہہ دیا کریں تو کیا حرج ہے۔ عورتیں ہی اپنے بچوں کو گالیاں سکھاتی ہیں اور برے اخلاق پیدا کرتی ہیں۔ اگر یہ چھٹے تو بچوں کی بہت اچھی تربیت ہوسکتی ہے۔ اگر میاں بیوی میں ناراضگی ہو جاوے تو چاہیے کہ دونوں میں سے ایک خاموش ہو جائے تو لڑائی نہ بڑھے اور نہ بچے ماں باپ کو تُوتُو مَیں مَیں کرتے سنیں۔ بچہ تو وہی کام کرے گا جو اس کے ماں باپ کرتے ہیں اور پھر یہ عادت اس کی چھوٹے گی نہیں۔ بڑا ہوگا، ماں باپ کے آگے جواب دے گا، پھر رفتہ رفتہ باہر بھی اسی طرح کرے گا۔ اس لئے عورتوں کو اپنی زبان قابو میں رکھنی چاہیے۔ آپ بیعت کرنے والوں کو ضرور کچھ روز اپنے گھر ٹھہراتے تھے۔''

(سیرت المہدی صفحہ 319 روایت 1580)

جیسا کہ پہلے بیان کردہ واقعات سے ظاہر ہے حضور اپنے عملی نمونہ سے بھی ہمیں سکھاتے ہیں کہ بچے کی تربیت بچپن سے کرنی چاہیے اور دینی امور کی اہمیت بچپن میں ہی بچوں پر واضح کر دینی چاہیے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا بھی ایک اسی طرح کا واقعہ ہے۔ آپ کی وفات بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔ آپ ابھی بہت چھوٹے بچے تھے اور قرآن کریم کے ادب اور احترام کے بارہ میں کچھ بھی علم نہ رکھتے تھے کہ ان سے ایک ایسی بات ہوئی کہ جو حضور کے نزدیک قرآن کریم کے ادب کے خلاف تھی۔ حضور کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ برداشت نہ کرسکے اور آپ نے مبارک احمد کے شانے پر تھپڑ مارا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب آپ کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ہر بچہ اپنے ماں باپ کو پیارا ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر مبارک احمد کو حضرت صاحب بہت پیار کرتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کی آیت تھا۔ اس سے ایک مرتبہ قرآن مجید کے متعلق سہواً ایک بے ادبی ہوگئی۔...... حضرت اقدس نے جب دیکھا تو ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ شخص گویا بالکل بدل گیا تھا۔ باوجودیکہ آپ بچوں کو تعلیمی معاملات میں سزا دینے کے بہت خلاف تھے مگر اس کو برداشت نہ کرسکے اور مبارک احمد کو ایک تھپڑ مارا جس سے نشان ہوگیا۔ اور اظہارِ رنج فرمایا کہ قرآن مجید کی بے ادبی ہوئی ہے۔ وہ بچہ ہے ابھی ان آداب سے واقف نہیں لیکن آپ اس کو برداشت نہیں کرسکتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی حرکت کسی سے دانستہ یا نادانستہ ایسی سرزد نہ ہو جو استخفاف شریعت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی ہتک اور تحقیر کا موجب ہو۔''(سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 274,273)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں بیان فرماتے ہیں: ''میں ابھی چھوٹا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی کتاب کا مسودہ لکھ رہے تھے۔ اس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال کی تھی۔ آپ کی عادت تھی کہ آپ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔ اسی طرح آپ اس وقت ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے۔ مسجد کے پاس ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے بیت الفکر کہتے ہیں۔ اس کی ایک کھڑکی مسجد کی طرف کھلتی تھی۔ میں بھی پہلے اس کھڑکی سے گزر کر نماز پڑھانے کے لئے آیا کرتا تھا۔ بعد میں ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسری کھڑکی بنا دی گئی اور میں نے اس سے آنا شروع کر دیا۔ اس کمرے یعنی بیت الفکر میں حضرت اُمّ المومنینؓ رحل پر قرآن کریم رکھے تلاوت کر رہی تھیں۔ آپ کے پاس ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبارک احمد سے بے حد پیار تھا بلکہ آپ کا پیار عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے۔ مَیں بھی پاس کھڑا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ جیسے چیل جھپٹا مارتی ہے آپ کود کر اس کمرہ میں گئے اور مبارک احمد کو ایسا تھپڑ مارا کہ اس کے منہ پر سرخ نشان پڑ گئے۔ مَیں حیران تھا کہ ہوا کیا؟ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ کہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تم اللہ تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہو! بعد میں مَیں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مبارک احمد کوئی چیز مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا کہ تلاوت کے بعد میں تمہیں وہ چیز دوں گی۔ اس پر اس نے رحل کو دھکا دیا اور کہا یہ چھوڑ دو اور مجھے وہ چیز دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کود کر اندر آئے اور ایسے زور کے ساتھ اسے تھپڑ مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑ گئے حالانکہ مبارک احمد اس وقت ایک چھوٹا بچہ تھا اور آپ اس سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔''

(تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور۔ انوار العلوم جلد 21 صفحہ 25 تا 26)

یہ واقعہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے اور آپ کے حالات و اخلاق آپ کے دوستوں اور دشمنوں نے، اپنوں اور غیروں نے، آپ کے مریدوں اور آپ کے مخالفوں نے، مردوں، عورتوں اور بچوں نے بیان کئے ہیں۔ لیکن کسی نے کوئی ایسا واقعہ بیان نہیں کیا جس میں یہ ذکر ہو کہ حضور نے اپنے بچپن میں، جوانی میں یا بڑھاپے میں کسی کو مارا ہو یا جسمانی سزا دی ہو۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ میں یہی ایک

واقعہ ملتا ہے جس میں آپ نے بدنی سزا دی اور وہ بھی کسی ذاتی قصور پر نہیں۔ قرآن کریم کی بے ادبی پر اور وہ بھی اپنے بیٹے کو جبکہ وہ ابھی ناسمجھی کی عمر میں تھا۔ پس بیان کردہ متعدد واقعات سے ظاہر ہے کہ دینی شعائر کی حُرمت اور ان کا احترام کرنا اور ہر بات میں دینی پہلو کو مدّنظر رکھنا حضور کے طریقِ تربیت کا ایک اہم جزو تھا۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ دو واقعات بیان کرتی ہیں جن سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے: ''ایک شام آسمان پر ہلکے ہلکے ابر میں خوبصورت رنگ برنگ کی دھنک دیکھ کر ہم سب بچے خوش ہو رہے تھے۔ آپؑ اس وقت صحن میں ٹہل رہے تھے جو بعد میں اُمّ ناصر کا صحن کہلاتا رہا ہے۔ میں نے کہا یہ جو کمان ہے اس کو سب لوگ (پنجابی میں) ''مائی بڈھی کی پینگ'' کہتے ہیں اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا اس کو عربی میں ''قوسِ قزح'' کہتے ہیں۔ مگر تم اس کو قوس اللہ کہا کرو۔ نیز فرمایا کہ ''قوسِ قزح'' کے معنی شیطان کی کمان ہیں۔''

مزید فرماتی ہیں: ''ہمارے بچپن میں ایک کھلونا آتا تھا Look and laugh۔ دُوربین کی صورت کا۔ اس میں دیکھو تو عجیب مضحکہ خیز صورت دوسرے کی نظر آتی تھی۔ جب یہ کھلونا لاہور سے کسی نے لاکر دیا۔ آپ کو یہ چیز میں نے دکھائی آپ نے دیکھا اور تبسّم فرمایا۔ کہا۔ اب جاؤ دیکھو اور ہنسو کھیلو۔ مگر دیکھو یاد رکھنا میری جانب ہرگز نہ دیکھنا۔ سب والدین بچوں کو تہذیب سکھانے کو ادب بڑوں کا سکھاتے ہیں۔ مگر یہ ایک خاص بات تھی اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی مؤدب بن کر بھی آتا ہے اور خود اس کو اپنا ادب بھی اپنی ذاتی شخصیت کے لئے نہیں بلکہ اس مقام کی عزت کے لئے جس پر اس کو کھڑا کیا گیا، اس ذات پاک و برتر کے احترام کی وجہ سے جس نے اس کو خاص مقام بخشا جس کی جانب سے وہ بھیجا گیا، سکھانا پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان میں معجزانہ اثر تھا۔ آپ نہ بات بات پر ٹوکتے نہ شوخیوں پر جھڑکنے لگتے بلکہ انتہائی نرمی سے فرماتے کہ یوں نہ کرو۔ جس بات سے آپ نے منع کیا مجھے یاد نہیں کہ کبھی بھول کر بھی وہ بات پھر کی ہو...... عمر بھر کو اس بات سے طبیعت بیزار ہو گئی۔'' (تحریرات مبارکہ صفحہ 265-264)

حضرت اقدسؑ جہاں دینی شعائر کی حرمت و احترام کے متعلق بچوں کے معاملہ میں کسی بھی لحاظ کے روادار نہ تھے وہاں دوسری طرف ایسے افعال و اعمال میں جہاں کسی قسم کی دینی اور اخلاقی حیثیت متاثر نہ ہوتی ہو، آپ بچوں کی تربیت اور ان کو سمجھانے کے معاملہ میں بھی کسی قسم کی سختی کے قائل نہ تھے۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

''ایک روز حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ ابھی تھوڑا سا دن چڑھا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ پندرہ سولہ احباب ساتھ تھے۔ پھر پیچھے سے اَور بہت سے آملے۔ حضرت خلیفہ ثانی مدفیضہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی آگئے اور ایک دولڑکے اور بھی ان کے ساتھ تھے۔ چھوٹی عمر تھی، ننگے پاؤں اور ننگے سر میاں بشیر احمد صاحب تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تبسم فرما کر فرمایا کہ: ''میاں بشیر احمد! جوتی ٹوپی کہاں ہے؟ کہاں پھینک آئے؟''

میاں بشیر احمد صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور ہنس کر بچوں سے کھیلتے کھیلتے آگے بڑھ گئے اور کچھ فاصلہ پر دوڑ گئے۔ آپؑ نے فرمایا بچوں کی بھی عجیب حالت ہوتی ہے۔ جب جوتا نہ ہو تو روتے ہیں کہ جوتا لاکے دو اور جب جوتا منگوا کر دیا جاوے تو پھر اس کی پروا نہیں کرتے اور نہیں پہنتے یونہی سوکھ سوکھ کر خراب ہو جاتا ہے۔ یا گم ہو جاتا ہے۔ کچھ بچوں کی جبلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی۔ عجیب بے فکری کی عمر ہوتی ہے اور اکثر اپنے آپ کو پابرہنہ رکھنا ہی پسند کرتے ہیں۔'' (سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 371 مولفہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

تربیت کا ایک اور انداز ہمیں حضور کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ایک دفعہ محرم کا مہینہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے بچوں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا آؤ میں تمہیں محرم کی کہانی سناؤں۔ پھر آپ نے بچوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور خاندان نبوت کے دیگر افراد کی شہادت کے واقعات سنائے۔ آپ یہ واقعات سنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ جب آپ یہ واقعات سنا چکے تو آپ نے بڑے درد سے فرمایا: ''یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبیؐ کے نواسے پر کروایا مگر خدا نے بھی ان ظالموں کو بہت جلد اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔'' (سیرت طیبہ مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 37-36)

یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں جو ایک دفعہ ہوا ہو۔ بچوں کی تربیت کے لئے حضور باوجود اپنی بے پناہ مصروفیت کے وقت نکالتے تھے۔ سبق آموز کہانیاں اور واقعات ان کو سناتے تھے۔ چنانچہ ایسی کئی کہانیوں اور قصوں کا تذکرہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے بھی اپنے ایک پیغام میں، جو خدام الاحمدیہ ربوہ کے اجتماع کے موقعہ پر 1963ء میں دیا تھا، دو ایسی سبق آموز کہانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت اقدسؑ اپنے بچوں کو سنایا کرتے تھے اور یہ دونوں کہانیاں تربیتی پہلو سے بہت اہم ہیں۔ حضورؑ فرماتے تھے:

ایک بزرگ کو کسی شخص نے آن کر کہا کہ فلاں شخص آپ کو ایسا برا بھلا کہتا ہے۔ ان بزرگ نے سن کر فرمایا کہ اس نے مجھ پر تیر چلایا مگر وہ راہ میں گر پڑا۔ تم نے اس کو اٹھا کر لا کے میرے سینے میں چبھو دیا۔ گویا دکھ دینے والے تم ہوئے۔

دوسری کہانی حضور حاسد محسود کی بھی سنایا کرتے اور فرماتے خدا محسود بنائے حاسد نہ بنائے۔ حسد بہت برائیوں کی جڑ ہے۔ خدا اس مرض سے بچائے۔ اس کا مریض کھجلی کے مریض کی طرح اس کو قسم قسم سے ابھارتا اور اس آگ کو بجھنے نہیں دیتا جو دراصل اسی کو جلا رہی ہوتی ہے جب ضمیر اس کو نادم کرنا چاہتا ہے تو وہ عیب چینی سے ایک جھوٹی تسلی اپنے دل کو دیتا ہے اور بدگمانی کی راہ اختیار کر کے جو حسد کا ایندھن ثابت ہوتی ہے اس دوزخ کو بھڑکاتا ہے۔ حسد اس کی آنکھ پر ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ وہ نہیں سوچتا کہ اپنا ہی برا کر رہا ہے۔ محسود کا کچھ نہیں بگڑ رہا۔

(تحریرات مبارکہ صفحہ 114-113)

حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ اسی طریق تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بارہا میں نے دیکھا ہے اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائینتی پر بٹھا دیا ہے اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوّے اور چڑیا کی کہانیاں سنا رہے ہیں اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں اور حضرت ہیں کہ بڑے مزے سے سنے جا رہے ہیں گویا کوئی مثنوی ملّائے روم سنا رہا ہے۔'' (سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ 73 طبع دوم)

بچوں میں بار بار سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ بسا اوقات جب ماں یا باپ کسی کام میں مصروف ہوں اور بچہ بار بار آکر ان کو تنگ کرے تو عام طور پر والدین چڑ کر بچوں کو ڈانٹنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات حضور کو بھی پیش آتے تھے لیکن حضور کبھی بچوں کو اس بات پر ڈانٹتے نہ تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور

تنہائی میں کسی اہم کتاب کے لکھنے میں مصروف ہیں اور عادت کے مطابق دروازہ بند کیا ہوا ہے اور ایک بچے نے آکر دستک دی ''ابا بُوا کھول''۔ حضور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ بچے نے کمرہ کے اندر آکر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر باہر جا کر کھیل میں مشغول ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھراسے کمرے میں جانے کا خیال آیا اور پھر اس نے آواز دی ''ابا بُوا کھول''۔ حضور پھر لکھتے لکھتے اٹھتے ہیں، مسکرا کر بچے کی بات سنتے ہیں اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو کجا اُلٹا اس کی فرمائش پوری کر دیتے ہیں۔

(ملخص سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی)

چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم بچے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں یا کسی اور حالت میں ہوں ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے کہ ابا پیسہ دو اور آپ اپنے رومال سے پیسہ کھول کر دے دیتے تھے۔ اگر ہم کسی وقت کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں، زیادہ تنگ نہ کرو۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ 49 روایت 65)

بچوں کی تربیت کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ بچوں کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کے شافی جواب ان کو ملیں۔ اس بارہ میں حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا تو میں ان دنوں چھوٹا بچہ تھا اور شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے اس دعویٰ سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن میں مدرسہ گیا تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہوگئے ہیں اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ان کی تردید کی کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہوں گے۔ خیر جب میں گھر آیا تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ آپ مسیح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا یہ سوال سن کر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ کتاب فتح اسلام (جو آپ کی جدید تصنیف تھی) لا کر مجھے دے دیا اور فرمایا اسے پڑھو۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے کہ آپ نے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی ورنہ یونہی کوئی بات کہہ کر ٹال دیتے۔'' (سیرت المہدی جلد اول صفحہ 20 روایت نمبر 26)

ہمارے ماحول میں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے ماحول میں کچھ اہمیت پا جاتا ہے تو وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے بچوں کو خواہ وہ اس کے اپنے بچے ہی ہوں گود ی اٹھائے۔ اگر کبھی ایسی ضرورت پیش بھی آجائے تو ایسے اشخاص اپنے زیردست یا زیر اثر لوگوں سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے بچوں کو گودی اٹھا کر ساتھ چلیں۔ مگر حضرت اقدسؑ کا رویہ اس کے برعکس تھا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپؑ کی اس محبت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ ''آپ بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے باہر نکل آیا کرتے تھے۔ اور سیر میں بھی اٹھا لیا کرتے۔ اس میں کبھی آپ کو تامل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ خدام جو ساتھ ہوتے وہ خود اٹھانا اپنی سعادت سمجھتے مگر حضرت بچوں کی خواہش کا احساس یا ان کے اصرار کو دیکھ کر آپ اٹھا لیتے اور ان کی خوشی پوری کر دیتے۔'' (سیرت حضرت مسیح موعود صفحہ 389)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ آپؑ کی اپنے بچوں سے محبت کا ایک اور واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ آپؑ نے کشف میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے متعلق دیکھا کہ وہ مبہوت اور بدحواس ہو کر دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے اور نہایت بے قرار ہے اور حواس اڑے ہوئے ہیں اور کہتا ہے کہ ''ابا پانی'' یعنی مجھے پانی دو۔ حضرت اقدس اس وقت باغ میں مقیم تھے اور دو گھنٹہ بعد اس کشف کے بعینہ یہ واقعہ پیش آیا۔ آٹھ بجے صبح کا وقت تھا اور حضرت اقدس ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ مبارک احمد چار برس کی عمر کا تھا۔ یکا یک وہ اسی طرح مبہوت ہو کر حضرت کی طرف آیا اور کشف پورا ہوگیا۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور جہاں تک مجھ سے ہوسکا میں تیز قدم اٹھا کر اور دوڑ کر کنویں تک پہنچا اور اس کے منہ میں پانی ڈالا۔ اس نقشہ کا تصور کریں کہ جب آپ چار برس کے بچے کو اٹھاتے ہوئے کنویں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ آپ نے یہ پروا نہیں کی کہ میں آواز دے کر اپنے بیسیوں خادموں کو بلا سکتا ہوں، پانی ہی منگوا سکتا ہوں۔ کسی کا انتظار نہیں کیا بلکہ خود اٹھا کر بھاگتے ہوئے کنویں کی طرف چلے گئے۔'' (سیرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ 285)

ہر بچہ کبھی نہ کبھی ضد میں آ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر والدین تحمل سے کام لینے کی بجائے مار پیٹ کرتے ہیں اور اگر وہ روئے تو اسے زبردستی چُپ کرانا چاہتے ہیں اور جب بچہ چُپ نہیں کرتا تو بے تحاشا مار پیٹ کر کے اپنا غصہ نکالتے ہیں۔ حضور کا نمونہ ایسے مواقع پر بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

لدھیانے کا واقعہ ہے حضرت مصلح موعود تین برس کے تھے۔ آدھی رات کے وقت کسی بات پر رونے لگے اور روتے چلے گئے۔ حضور گود میں لے کر بہلاتے رہے لیکن بچہ چُپ ہونے میں نہیں آتا۔ توجہ کو پھیرنے کے لئے حضور نے فرمایا ''دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے''۔ بچہ ذرا چُپ ہوا اور پھر اور بھی زور شور سے رونے اور چلانے لگا ''ابا تارے جانا''۔ اور حضور اپنے آپ سے فرما رہے تھے ''یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی، اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی''۔ آخر بچہ تھک کر خاموش ہوگیا لیکن اس تمام عرصہ میں ایک دفعہ بھی حضور نے بچہ کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ (سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹیؓ)

حضرت اقدسؑ کو جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا۔ وہاں آپ بچوں کی صحت و تیمارداری میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور اس کام میں اس قدر محو ہو جاتے کہ گمان گزرتا کہ شاید آپ کو اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ ہے۔ مگر آپ کا یہ فعل بھی صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ہی ہوتا تھا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس بارہ میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادے اکثر بیمار ہو جاتے۔ ان کے علاج معالجہ اور دوا درمن میں راتوں کو دن کر دینا معمولی بات ہوتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) کی آنکھیں بیمار تھیں۔ آپ اس کے علاج کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ اور ساری ساری رات خود لے کر ٹہلتے رہتے اور ان کو بہلاتے مگر کبھی شکایت نہ کی۔ ہم نے اپنے گھروں میں دیکھا ہے کہ بیماری ذرا لمبی ہوئی یا کسی کو زیادہ وقت تک کسی بیمار کے پاس رہنا پڑا تو گھبرا کے ایسے الفاظ منہ سے نکال دیتے ہیں جو قابل افسوس ہوتے ہیں مگر حضرت کو دیکھا گیا کہ بعض اوقات مہینوں تیمارداری کرنی پڑی ہے اور ساری ساری رات اور دن بھر اس کو فت میں رہے ہیں مگر زبان سے کوئی لفظ شکوہ کا نہیں نکلا۔ پوری مستعدی کے ساتھ اس

میں لگے رہے۔'' (سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 289)

والدین اس بات کی بہت خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے بہت امیر ہوں۔ بڑے بڑے دنیاوی عہدوں پر پہنچیں اور صاحب اقتدار اور صاحب ثروت بنیں اور انسان کی پیدائش کے حقیقی مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے بچوں کے لئے نہ خواہش رکھتے ہیں اور نہ اس کے لئے کوشش اور توجہ اور دعا کرتے ہیں۔ حضور اپنے بچوں کے لئے کیا خواہش رکھتے تھے؟ فرماتے ہیں: ''مجھے اپنی اولاد کے متعلق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 562)

چنانچہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے تحصیلداری کا امتحان 1884ء میں دیا تھا۔ اس وقت میں نے والد صاحب کو دعا کے لئے ایک رقعہ لکھا تو انہوں نے رقعہ پھینک دیا اور فرمایا ''ہمیشہ دنیاداری ہی کے طالب ہوتے ہیں'' جو آدمی رقعہ لے کر گیا تھا اس نے آ کر مجھے یہ واقعہ بتایا۔ اس کے بعد والد صاحب نے ایک شخص سے ذکر کیا کہ ہم نے تو سلطان احمد کا رقعہ پھینک دیا تھا کہ ایک دنیوی غرض اپنے مالک کے سامنے کیا پیش کروں ...... کہ الہام ہوا ''پاس ہو جاوے گا''۔ مرزا سلطان احمد صاحب کہتے ہیں چنانچہ میں امتحان میں پاس ہو گیا۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ 205 روایت نمبر 208)

یاد رہے کہ یہ انیسویں صدی کے اواخر کی بات ہے اور اُس زمانے میں برصغیر کے بڑے صاحب اثر اور رئیس خاندان اس بات کو فخر کا موجب سمجھتے تھے کہ ان کے خاندان کا کوئی فرد سرکاری ملازمت حاصل کر لے۔ تحصیل دار کا عہدہ تو بہت بڑی بات ہے اُس زمانے میں معمولی سرکاری ملازمت کے حصول کے لئے بھی ہر جائز و ناجائز طریق اختیار کیا جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب انٹرنس کا امتحان دیا تو ایک دوست نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور دعا کریں کہ میاں صاحب پاس ہو جاویں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: ''ہمیں تو ایسی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایسی باتوں کے لئے دعا نہیں کرتے۔ ہم کو نہ تو نوکریوں کی ضرورت ہے اور نہ ہمارا یہ منشا ہے کہ امتحان اس غرض سے پاس کئے جاویں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہ علوم متعارفہ میں کسی قدر دستگاہ پیدا کر لیں جو خدمت دین میں کام آئے۔ پاس فیل سے تعلق نہیں اور نہ کوئی غرض۔'' (سیرت حضرت مسیح موعودؑ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 318)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اسی طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمان کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہی ہو گا۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 562-563)

پھر فرماتے ہیں: ''بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے کچھ مال چھوڑنا چاہیے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اولاد صالح ہو طالح نہ ہو۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 443)

پھر فرمایا: ''اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر (اولاد) بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 444)

پھر فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے ''میں بچہ تھا، جوان ہوا، اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔'' اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔'' (ایضاً)

حضرت اقدسؑ بچوں کی تربیت کے لئے یہ پسند فرماتے تھے کہ ان کی شادیاں اوائل بلوغت میں ہی کر دی جائیں۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تحریر کرتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ حالات زمانہ کو مدنظر رکھ کر یہ پسند فرماتے تھے کہ بچوں کی شادی بدو شباب سے کچھ پہلے ہو جاوے تا کہ جب وہ زمانہ بلوغت میں قدم رکھیں اور ان کی زندگی میں ایک تغیر کا دور شروع ہو وہ اپنی رفیقہ زندگی اور مونسہ کو موجود پائیں۔ چنانچہ آپ نے تمام بچوں کی شادیاں چھوٹی عمر ہی میں کر دی تھیں گو ان کے رخصتانے زمانہ بلوغت میں ہوئے۔ حضرت اُمّ المومنین کی روایت سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرزِ عمل کے متعلق حضور کا منشا صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ''حضرت صاحب نے تم بچوں کی شادیاں تو چھوٹی عمر میں کر دی تھیں مگر ان کا منشا یہ تھا کہ زیادہ اختلاط نہ ہو تا کہ نشوونما میں کسی قسم کا نقص نہ پیدا ہو۔''

(سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 386-385)

بعض والدین اپنے بچوں کے ساتھ اس قدر شدید محبت رکھتے ہیں کہ اولاد ان کے لئے ابتلا کا باعث بن جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور فرماتے ہیں: ''اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری کرنی چاہیے۔ اس کی دلجوئی کرنی چاہیے۔ مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم حصہ 419)۔ پھر فرماتے ہیں: ''ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کوئی تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 307)

یہ صرف ایک زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ آپ کا عملی نمونہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ بچوں کی خبر گیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہو گی اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ گویا کوئی اور فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدّ نظر ہے۔ آپ کی پلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی۔ آپ اس کے علاج میں یوں دوا دوی کرتے کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے اور

ایک دنیا دار دنیا کی عرف واصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کرنہیں سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی آپ یوں الگ ہوئے کہ گویا کوئی چیزتھی ہی نہیں اور جب سے کبھی ذکرتک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی۔'' (سیرت حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 111 طبع دوم)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مبارک احمد بیمار ہوا آپ نے اس کی تیمارداری میں رات دن ایک کر دیئے اور ایک دنیا دار آپ کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ یقیناً یہ قیاس کرتا کہ اس شخص کے لئے اس بچے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں مگر جونہی مبارک احمد اپنے مولیٰ سے جاملا آپ کا چہرہ ایسا بشاش اور مطمئن تھا گویا وہ عید کا دن تھا۔'' (سیرت مسیح موعود مولفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 239)

پھر مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

''عام طور پر اگر غور کیا جاوے تو وہ انسان جو ستر برس کے قریب ہو اور جس کا ہونہار نیک سعادت مند بچہ فوت ہو جاوے اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے مگر یہاں معاملہ ہی الگ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اس واقعہ کو ایسے جوش اور مزے سے بیان کرتے ہیں کہ الفاظ نہیں ملتے جو اس کیفیت کو ظاہر کیا جاوے۔ حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کے امتحان میں پورے اترے۔ سب سے بڑھ کر جو امر مسرت کا موجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود پر یہ وحی ہوئی ہے کہ 'خدا خوش ہوگیا'۔'' (سیرت مسیح موعود مولفہ یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 241-240)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبارک احمد کی وفات پر ہونے والے مذکورہ بالا الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کل والا الہام کہ 'خدا خوش ہوگیا' ہم نے اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے سن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتا تو میں پروانہ کرتی۔'' (سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 246)

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں بھی ذکر کر دیا جائے کہ آپ کس طرح بچوں کی تربیت کرتی تھیں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''حضرت اُمّ المومنین علیہا السلام فرمایا کرتی تھیں کہ بڑے بچے کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر وہ ٹھیک راہ پر چلے گا تو آئندہ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں چھوٹے خود ہی بڑے کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔

بچوں پر اعتماد کر کے تربیت کرنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی طریق تھا اور حضرت اماں جان کا بھی۔ مثلاً اگر کوئی بات ہمارے بچپن میں کسی کی ہوتی تو آپ بڑے وثوق سے کہتیں 'میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے' اور یہ بات ہمارے دلوں میں اتنی گڑ گئی تھی کہ مجھے بچپن کا اپنا تأثر یاد ہے کہ جھوٹ تو خیر ہم نے بولنا ہی نہ ہوا یہ بات ہمارے کرنے کی ہے ہی نہیں۔

یہی سلوک اور طرزِ عمل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ آپ کبھی بے اعتباری کی، شک کی بات نہ کرتے تھے۔ بچوں پر یقین رکھتے تھے۔ یعنی اعتماد ظاہر فرماتے تھے اور اس اعتماد کی شرم نہ تو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کرنے دیتی اور نہ کوئی بات آپ سے کبھی پوشیدہ رکھنے کو دل چاہتا۔ جو بات کہو آپ غور سے سنتے جیسے کسی بڑے معتبر آدمی کی سنتے ہیں۔

غرض بچہ کو نیک بات سنا دینا اور اس کے کاموں پر اس طرح سے نظر رکھنا کہ ہر وقت کی نکتہ چینی، شک وشبہ روک ٹوک تو نہ ہو مگر خبردار ضرور رہیں آپ۔ اور بچہ پر بڑی حد تک اعتبار کر کے اس پر خود اپنے افعال کی غیرت اور ذمہ داری پیدا کر دینا۔ کوئی بات ہو تو الگ سمجھا دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ہر وقت کی برسرِ عام گھر کی جھڑکی سے بے غیرت بنانے کی۔

نیز حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں بچہ کو یونہی ہر وقت نہ کہو سنو مگر جب کہو تو ضرور وہ بات کروا کر چھوڑو تا کہ فرمانبرداری کی عادت پڑے لیکن ہر وقت تنگ نہ کرو۔'' (تحریرات مبارکہ صفحہ 60,59)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو بہت چھوٹی عمر میں حضرت اماں جانؓ نے لے لیا تھا اور آپ کو پالا ہی حضرت اماں جانؓ نے تھا۔ حضورؒ سے یہ روایت خاکسار نے کئی بار سنی ہے کہ حضرت اماں جانؓ ہمیشہ یتیم بچیاں پالتی تھیں اور ان کے کام نہلانا، دھلانا، کھانا کھلانا وغیرہ خود ہی کرتی تھیں۔ حضورؒ فرماتے تھے کہ میرے بہت بچپن کی بات ہے اسی طرح ایک بچی حضرت اماں جانؓ کے گھر رہنے کے لئے آئی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو اس کو بھی اماں جانؓ نے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا۔ حضورؒ فرماتے تھے جب میں نے دیکھا کہ وہ بچی بھی دستر خوان پر ہے تو میں نے کہا کہ میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ حضور فرماتے تھے حضرت اماں جانؓ نے مجھے پیار سے سمجھایا لیکن میں ضد میں آ گیا اور کھانے سے انکار کر دیا۔ حضور کہتے تھے میرے انکار پر حضرت اماں جانؓ فرمانے لگیں کہ ٹھیک ہے تم کھانا نہیں کھانا چاہتے تو نہ کھاؤ۔ حضورؒ مزید فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اماں جانؓ نے مجھے کھانے کے لئے نہ کہا۔ آخر جب بہت وقت گذر گیا اور مجھے بھوک نے بہت ستایا تو مجبوراً میں نے کھانے کے لئے کہا تو حضرت اماں جانؓ نے مجھے اسی بچی کے ساتھ بٹھا کر کھانا دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمیشہ بڑے پیار سے یہ واقعہ سناتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت اماں جانؓ کے اس طریق کی وجہ سے پھر ساری زندگی کسی غریب کو غریب سمجھ کر اس سے ملنے میں میری طبیعت میں کبھی روک پیدا نہ ہوئی۔

حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کی صاحبزادی امۃ الشافی سیال صاحبہ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت اماں جانؓ کے طریقِ تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ کہتی ہیں کہ میری والدہ وفات پا چکی تھیں اور میں اپنے ننھیال میں رہتی تھی۔ اپنی نانی کے ساتھ اماں جانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ باتیں کرتے کرتے اماں جانؓ نے مجھ سے پوچھا تمہارے کتنے بھائی ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی دو بھائی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: نہیں بیٹا تمہارے چار بھائی ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ امۃ الشافی صاحبہ کی والدہ کے دو بیٹے تھے جبکہ حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کے دوسری بیوی سے بھی دو بیٹے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب امۃ الشافی صاحبہ کی عمر صرف پانچ سال تھی لیکن اتنی کم عمر میں بھی حضرت اماں جانؓ نے ان کی اصلاح کرنی ضروری سمجھی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ آپؓ کے اس طرح سمجھانے سے پھر کبھی خیال بھی نہ آیا کہ دوسری والدہ سے ہمارے بھائی بہن سوتیلے ہیں۔ سگے سوتیلے کا فرق ہی کبھی نہ کیا اور اگلی نسل میں بھی اسی طرح پیار و محبت ہے۔

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اندازِ تربیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا مزید تحریر فرماتی ہیں:

''اصولی تربیت میں مَیں نے اس عمر تک بہت مطالعہ عام وخاص لوگوں کا کر

کے بھی حضرت والدہ صاحبہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ آپ نے دنیوی تعلیم نہیں پائی (بجز معمولی اردو خواندگی کے) مگر جو آپ کے اصول اخلاق و تربیت ہیں ان کو دیکھ کر میں نے یہی سمجھا ہے کہ خاص خدا کا فضل اور خدا کے مسیحؑ کی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب کہاں سے سیکھا؟

بچے پر ہمیشہ اعتبار اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کر کے اس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈال دینا یہ آپ کا بڑا اصول تربیت ہے۔

جھوٹ سے نفرت اور غیرت وغنا آپ کا اوّل سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں کہ بچہ میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے، پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے تو کوئی ڈر نہیں۔ جس وقت بھی روکا جائے گا باز آ جائے گا اور اصلاح ہو جائے گی۔ فرماتیں کہ اگر ایک بار تم نے کہنا ماننے کی پختہ عادت ڈال دی تو پھر ہمیشہ اصلاح کی امید ہے۔ یہی آپ نے ہم لوگوں کو سکھا رکھا تھا اور کبھی ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہم والدین کی عدم موجودگی کی حالت میں بھی ان کے منشا کے خلاف کر سکتے ہیں۔

حضرت اماں جان ہمیشہ فرماتی تھیں کہ 'میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے' اور یہی اعتبار تھا جو ہم کو جھوٹ سے بچاتا بلکہ زیادہ متنفر کرتا تھا۔ مجھے آپؓ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔ پھر بھی آپؓ کا ایک خاص رعب تھا اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دنیا کے عام قاعدہ کے خلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے۔ اور مجھے یاد ہے کہ حضور اقدسؑ سے حضرت والدہ صاحبہ کی بے حد محبت وقدر کرنے کی وجہ سے آپؓ کی قدر میرے دل میں اَور بھی بڑھا کرتی تھی۔

بچوں کی تربیت کے متعلق ایک اصول آپ یہ بھی بیان فرمایا کرتی تھیں کہ پہلے بچے کی تربیت پر اپنا پورا زور لگاؤ دوسرے ان کا نمونہ دیکھ کر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ (تحریرات مبارکہ صفحہ 321,320)

خدا تعالیٰ ہمیں حضور کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے حضور اور حضور کے تتبع میں حضرت اماں جان کے طریق تربیت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ہمت اور طاقت بخشے کہ ہم حضور کی منشا کے مطابق اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کر سکیں اور ہمارے بچے ہم سے بڑھ کر دین کی خدمت کرنے والے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے والوں میں سے ہوں۔ آمین!

بقیہ از صفحہ 20:

خلافت کا ایک عظیم الشان مقصد

رضی اللہ عنہ کے صدق کی بدولت اسلام کا باغ اپنی کامل تر و تازگی کو پہنچا اور اس نے اپنی زینت اور سکینت تیروں کے صدمات سہنے کے بعد حاصل کی اور اس کے اندر رنگا رنگ کے پھول پیدا ہوئے اور اس کی شاخیں غبار سے صاف ہو گئیں اور اس سے پہلے اسلام ایک ایسے مردہ کی طرح تھا جس پر ماتم کیا جا چکا ہو اور قحط سے بھگائے ہوئے اور مصائب سے زخمی اور سفروں سے درماندہ اور قسم قسم کی تھکان سے دُکھ دیئے ہوئے اور شعلوں والی دوپہر کے جلے بھنے ہوئے شخص کی مانند تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ان تمام مصائب سے نجات دی اور تمام آفات سے چھڑایا اور عجیب تائیدات سے اس کی مدد کی یہاں تک کہ اس نے بادشاہوں کی قیادت کی اور لوگوں کی گردنیں اس کے ہاتھ میں آ گئیں۔ بعد اس کے کہ وہ درماندہ اور شکستہ ہو چکا تھا اور خاک میں مل چکا تھا۔ پس منافقوں کی زبانیں بند ہو گئیں اور مومنوں کے چہرے چمک اُٹھے اور ہر ایک شخص نے اپنے رب کی حمد کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شکر بجا لایا اور سوائے زندیق اور فاسق کے سب ان کے پاس مطیع بن کر آ گئے۔ یہ سارا اَجر اُس بندے کا تھا جسے اللہ نے چن لیا تھا اور اسے اپنی دوستی کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور اس سے راضی ہو گیا تھا اور اس کو عافیت بخشی تھی اور اللہ تعالیٰ محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حاصل کلام یہ کہ یہ تمام آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر دے رہی ہیں اور ان کا کوئی اَور مصداق نہیں ہے۔ پس آپ تحقیق کی نظر سے اسے دیکھیں اور اللہ سے ڈریں اور متعصب مت بنیں۔ پھر دیکھیں کہ یہ تمام آیات آئندہ کے لیے پیشگوئیاں تھی تا کہ ان کے ظہور کے وقت مومنوں کا ایمان بڑھ جائے اور وہ اللہ کے وعدوں کو پہچان لیں کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام میں فتنے پیدا ہونے اور اس پر مصائب نازل ہونے کی خبر دی تھی اور ان میں یہ وعدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بعض مومنوں کو خلیفہ بنائے گا اور خوف کے بعد ان کو امن دے گا اور ان کے متزلزل دین کو تقویت بخشے گا اور مفسدین کو ہلاک کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اَور اُن کے زمانے کے کوئی نہیں۔ پس انکار نہ کریں کیونکہ اس کی دلیل تو ظاہر ہو گئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کو ایسی دیوار کی طرح پایا جو مفسدین کی شرارت کی وجہ سے گرنے کو تھی، خدا تعالیٰ نے اِس کو اُن کے ہاتھوں ایک چونے، گچ، مضبوط اُونچے قلعہ کی طرح بنا دیا جس کی دیواریں فولادی تھیں اور اس میں ایسی فوج تھی جو غلاموں کی طرح فرمانبردار تھی۔ پس غور کریں کیا اس میں آپ کے لیے کوئی شک کی گنجائش ہے یا اس کی نظیر آپ کے نزدیک اور جماعتوں سے لانا ممکن ہے؟''

(اردو ترجمہ از تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 6۔ ادارۃ المصنفین)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مجلس مشاورت 1984ء سے جو اختتامی خطاب فرمایا تھا، اس میں وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''پہلے یہ رکھا کہ دین کو تمکنت نصیب ہو گی یعنی اگر تم اس دنیا میں واقعتہً اللہ کے خلیفہ بن جاؤ گے تو تمہارے دین کو خدا تعالیٰ تمکنت عطا فرمائے گا۔ دین کو تمکنت عطا کرنے کے کیا معنے ہیں۔ عربی لغت کے لحاظ سے اقتدار کو تمکنت کہتے ہیں۔ غلبہ کو تمکنت کہتے ہیں۔ خوف کو دور کرنے اور امن میں آ جانے کو تمکنت کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے یہ جو محاورہ استعمال کیا ہے: عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٌ خدا تعالیٰ کے عرش کے پاس یعنی خدا تعالیٰ کی شان کے قریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور یہ بے خوف مقام ہے۔ ایسا مقام ہے جس میں غلبہ بھی شامل ہو جاتا ہے، جس میں مقتدرت شامل ہو جاتی ہے، جس میں بے خوفی شامل ہو جاتی ہے۔ ...... یہ ایک اور پہلو ہے جس کی طرف آپ کو متوجہ رہنا چاہیے کہ من حیث الجماعت خلافت اس وقت تک ہے جب تک یہ خلافت مرتکز ہے ایک خلیفہ کے وجود میں اور یہ وجود وہ ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنے تصرف کے تابع آپ کا نمائندہ بنا دیتا ہے یا اپنا نمائندہ بنا دیتا ہے۔ دونوں صورتیں ہیں۔''



خلافت ایک نعمت عظمیٰ ہے

(منور احمد خورشید واقف زندگی)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'اگرتم اللہ کی نعمتوں کو گننا شروع کرو توتم ان کا شمار نہیں کر سکتے'۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ درحقیقت ہرایک نعمت اپنی اہمیت اور افادیت اور مقام کے لحاظ سے دوسری نعمت سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہے۔
خلافت بھی ایک ایسی نعمت بے بدل ہے جس کا مقام بہت بلند وبالا ہے۔ کیونکہ جس طرح دل ہمارے بدن میں مرکزی مقام رکھتا ہے اور زندگی کا دارومدار اسی کے دھڑکنے سے وابستہ ہے۔ اسی طرح خلافت بھی نظام عالم کو راہ راست پر چلانے کے لئے دل کا ہی مقام رکھتی ہے جس کے بغیر بظاہر زندہ نظام عملی طور پر مُردہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں خلافت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ (سورۃ النور آیت 56)

اس آیت استخلاف میں، خلیفہ کون بناتا ہے اور خلافت کے ارفع و اعلیٰ مقام، اس کی ضرورت اور اس کے مقاصد پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس حوالے سے چند متفرق واقعات کا انتخاب ہدیہ قارئین ہے:

خلافت طاقت اور دولت سے نہیں ملتی۔ یہ خدائی دین ہے

مسیلمہ بن ثمامہ آف یمامہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیغمبر اکرم ﷺ کی ملاقات کو گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے رسول کریم ﷺ سے کہا۔ اے محمد اگر آپ مجھے اپنا جانشین مقرر کرلیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ (اس وقت آپؐ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی)۔ اگر تم اس ٹہنی کی بھی مجھ سے درخواست کروگے تو میں وہ بھی تمہیں نہیں دوں گا۔
اپنے معاملات میں جو چیز خدا نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اس کی مخالفت مت کرو۔ اگر تم خدا کے حکم سے روگردانی اختیار کروگے تو تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ پاؤ گے۔

تائید خلافت میں فرشتوں کا نزول

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے وصال کے موقع پر دنیا بھر سے غمزدہ احمدی احباب لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہر مجلس اور محفل میں ہر کوئی اپنے ساتھ پیش آنے والے سفر وحضر کے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات سنا رہا تھا۔ تائیداتِ الٰہیہ کے معجزانہ واقعات سننے کو مل رہے تھے۔

مسجد فضل لندن میں انتخاب خلافت کے لئے نمائندگان حسب پروگرام اکٹھے ہوئے۔ مَیں نے دیکھا کہ ہمارے پیارے آقا مسجد میں داخل ہونے والوں کی لائن میں کافی پیچھے کھڑے ہیں، پھر اپنی باری آنے پر ہی کافی تاخیر کے ساتھ مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور ہال کے دروازہ کے پاس خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ انتخاب کی کارروائی مکمل ہوتی ہے اور حضور انور کے نام نامی کے منصب خلافت پر فائز ہونے کا اعلان ہوتا ہے تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے غم، دکھ اور درد کے بادل چھٹ گئے ہیں اور ایک نیا روشن سورج طلوع ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ہر کوئی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا ہے۔ ہر کسی کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتما اٹھتا ہے۔ جیسے ریگستان میں بھٹکے ہوئے کاروان کو رہنما مل گیا ہو۔ اس کے بعد سب لوگ مطمئن اور پُرسکون دلوں کے ساتھ اپنی اپنی منزل کو روانہ ہوجاتے ہیں۔ اگلے روز ہر طرف مبارک باد اور دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کررہا تھا۔ ایک نائیجیرین دوست سے کسی نے پوچھا: آپ نے کس کو ووٹ دیا ہے؟ کہنے لگے کہ میں نے حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کو ووٹ دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: کیا آپ حضور انور کو پہلے سے جانتے تھے؟ کہنے لگے: نہیں۔ ان سے پوچھا گیا: پھر آپ نے انہیں ووٹ کیوں دیا؟ کہنے لگے: مجھے معلوم نہیں، کسی غیبی طاقت نے بے اختیار میرا ہاتھ بلند کردیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

خلیفہ کی اہمیت وضرورت۔ عقلمندرا اشارہ کافی است

بھلوال ضلع سرگودھا میں مولوی فضل الٰہی انوری صاحب کے والد محترم ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور استاذ مکرم سراج الدین صاحب بھی بطور ٹیچر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ مؤخرالذکر بزرگ احمدی نہیں تھے۔ لیکن اپنے ماحول کی وجہ جماعت احمدیہ کے بارے میں معلومات میں لگے رہتے۔ اپنے دوسرے دوست کے ساتھ سوال وجواب کا سلسلہ چلتا رہتا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اس بات کے قائل ہوگئے کہ جماعت احمدیہ ایک سچی جماعت ہے۔ اب کے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ کیا مجھے اہل پیغام کے ساتھ شامل ہونا چاہیے یا خلافت کی بیعت کرنی چاہیے۔ اسی کشمکش میں کافی دن گزر گئے۔ بہرحال احباب جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کرنی شروع کردیں۔ دل میں احمدیت کی لولگ چکی تھی۔

ایک دن جمعہ کا روز تھا۔ بھلوال میں کسی دوست کے گھر میں نماز جمعہ ادا کی

جاتی تھی۔مولوی سراج الدین صاحب بھی نماز جمعہ کے لئے تشریف لائے۔خطبہ جمعہ میں مکرم امام صاحب نے بتایا کہ اگر ایک آدمی جس کے ہاتھ، پاؤں اور دیگر سب اعضاء بہت ہی صحت مند نظر آتے ہوں لیکن اس کا سر نہ ہو تو اُسے ہم کیا کہیں گے۔اسے ہم باوجود اس کے بہت ہی مضبوط اعضاء کے مردہ ہی کہیں گے۔یہی مثال ہر اس جماعت پر بھی پوری اترتی ہے کہ جس کا امام نہیں ہے۔جس کا خلیفہ نہیں ہے۔وہ جماعت مُردہ ہے۔بس پھر کیا ہوا۔عقلمند را اشارہ کافی است۔مولوی صاحب کی عقدہ کشائی ہوئی،جس پر انہوں نے بشاشتِ قلب اور انشراحِ صدر کے ساتھ مہدی امام الزمان کے خلیفہ کی غلامی کا جُوا زیب تن کر لیا۔

سینغور کی حکمتِ عملی نے بتادیا۔خلیفہ کون بناتا ہے

سینیگال میں پچانوے فیصد لوگ مسلمان ہیں۔باقی چند فیصد عیسائی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔اہل سینیگال فرانس کے زیر تسلّط تھے۔1960ء میں انہیں آزادی ملی۔آزادی کے لئے ایک عیسائی لیڈر لیپورڈ سینغور نے نمایاں خدمات سرانجام دیں جس کی بنا پر آزادی ملنے کے بعد انہیں ملک کی باگ ڈور سونپ دی گئی۔اب وہاں کے مذہبی لیڈرز کو خیال پیدا ہوا کہ ملک کی بیشتر آبادی تو مسلمان تھی اور سربراہ مملکت ایک عیسائی بن گیا۔ملک کا سربراہ تو ایک مسلمان ہونا چاہیے۔چنانچہ معروف علماء اور شیوخ نے باہمی مشورہ سے ایک ایسا وفد تجویز کیا جو صدر مملکت کو قبول اسلام کی دعوت دے۔

خیر وفد سربراہ مملکت کے پاس حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ سینیگال ایک مسلمان ملک ہے۔کیا ہی اچھا ہو کہ اس ملک کا سربراہ بھی مسلمان ہو۔اس سے ملک کو بہت سارے متفرق فوائد حاصل ہوں گے،خاص طور پر اسلامی دنیا سے ہمیں ایک خاص مقام کے علاوہ معاشی فائدے بھی ملیں گے۔

سینغور ایک جہاندیدہ لیڈر تھا،کہنے لگا،مجھے تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی آبادی مختلف فرقوں میں تقسیم ہے جس طرح تیجانی،مرید،اہل سُنہ،عباد الرحمان اور لائن وغیرہ ہیں۔اب اگر میں تیجانی فرقہ میں شمولیت اختیار کرتا ہوں تو اس کے نتیجہ میں دیگر سارے فرقے میرے خلاف ہو جائیں گے۔اگر مرید ہوتا ہوں تو ان کے علاوہ باقی ملک کی بیشتر آبادی میرے خلاف ہو جائے گی۔میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے کہ آپ لوگ واپس تشریف لے جا کر باہمی رضامندی سے اپنا ایک خلیفہ منتخب کر لیں پھر مَیں بھی اس کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔

نتیجہ کیا ہوا۔وہی جو ازل سے ہوتا آیا ہے کہ دوبارہ کبھی بھی علماء اور شیوخ نے اس اہم مسئلے کے بارے بھی اپنی بات نہیں دوہرائی۔اس کے بعد سینغور صاحب نے ایک لمبا عرصہ بڑی تسلی کے ساتھ حکومت کی۔آج بھی اہل سینیگال ان کی عظمت،ملکی خدمات اور سیاسی بصیرت کو سلام کرتے ہیں۔

خلیفہ وقت کو قبولیت دعا کا اعجاز دیا جاتا ہے

برادرم آفتاب احمد جرمنی میں رہتے ہیں۔انہیں سال 2009ء میں ہیپاٹائٹس جیسے موذی مرض کی تکلیف ہوگئی جس کے بداثرات سے ان کا جگر متاثر ہوگیا۔بعد ازاں جگر نے بالکل جواب دے دیا اور سوائے جگر ٹرانسپلانٹ کے کوئی چارہ نہیں تھا جس کے لئے کئی لوگ لمبے انتظار میں تھے۔بتایا گیا کہ عام حالات میں یہ انتظار ایک سال تک بھی ہو سکتا ہے۔وہ اس بیماری کے پیش نظر مائینز شہر کے ایک معروف اسپتال میں داخل تھے۔مجھے بھی انہیں اسپتال میں جا کر ملنے کا اتفاق ہوا۔جسم بھر پر مختلف نالیاں لگی ہوئی تھیں۔ان کی حالت دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔

انہیں دنوں میں پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی جلسہ سالانہ جرمنی کے سلسلہ میں تشریف آوری ہوئی تو آفتاب احمد صاحب نے حضور انور سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جو ان کی حالت کے پیش نظر بظاہر ناممکن تھی۔دنیا برامید قائم است۔حضور انور نے از راہ شفقت اُن کی ملاقات منظور فرمالی جو اپنی ذات میں معجزہ سے کم نہ تھا کیونکہ وہ اسپتال میں داخل تھے۔

آفتاب احمد صاحب وقت مقررہ پر اسی حالت میں حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔حضور انور نے جب ان کی تکلیف دہ کیفیت دیکھی تو حضور انور کو بہت تکلیف ہوئی۔اس پر پیارے آقا نے انہیں تسلی دی نیز ان کی شفایابی کے لئے دعا فرمائی۔جس کے بعد آفتاب احمد صاحب اپنے اہل خانہ کے ہمراہ اپنے گھر کو روانہ ہوگئے۔بیت السبوح سے مائینز کا سفر آدھے گھنٹے کا ہے۔ابھی یہ لوگ رستہ میں ہی تھے کہ انہیں اسپتال کی جانب سے فون آگیا کہ ایک جگر کا انتظام ہوگیا ہے۔(دراصل کسی حادثہ میں ایک نوجوان اپنی جان کی بازی ہار گیا تھا جس کا جگر اس کی وصیت کے مطابق عطیہ دیا گیا اور جو بذریعہ ہیلی کاپٹر مائینز پہنچایا گیا تھا)۔چنانچہ یہ اسپتال پہنچے۔اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ پیارے آقا کی دعا کے اعجاز سے سال کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہوگیا۔اس بات کو تقریباً بارہ سال ہوگئے ہیں۔بفضل تعالیٰ جگر صحیح کام کر رہا ہے۔

خود سے بنائی ہوئی خوابیں کبھی پوری نہیں ہوتیں

سینیگال میں مقیم ایک پاکستانی تاجر نے ایک دفعہ پاکستانی کمیونٹی کی محفل میں ایک واقعہ بیان فرمایا۔

بقول راوی ان کے ایک عزیز انڈیا میں رہتے تھے جو ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک عالی مقام کے حامل تھے۔انہوں نے ایک دفعہ بتایا کہ انہیں رسول کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا غلبہ ضیاء الحق کے ذریعہ ہوگا۔یہ خواب جنرل ضیاء الحق تک پہنچائی گئی تو جنرل صاحب نے اس عالم دین سے خود ملنے کا فیصلہ کیا اور دورانِ ملاقات وہ خواب سننے کی فرمائش کی۔جس پر انہیں وہ خواب سنائی گئی جس کے نتیجہ میں ہم سب جانتے ہیں کہ غلبہ اسلام کی چوٹی سر کرنے کے لئے جنرل صاحب نے کیا کچھ نہیں کیا لیکن نتیجہ سب کے سامنے ہے۔فاعتبروا یا أولی الابصار

خلافت،امن،پیار،محبت اور دعا کا خزانہ

بطور مربی سلسلہ خاکسار کا احمدی احباب سے رابطہ رہتا ہے۔میں نے زندگی بھر اس بات کو محسوس کیا ہے کہ ہر احمدی کے دل میں خلیفۂ وقت کے لئے محبت کا ایک دریا موجزن ہوتا ہے اور یہ رشتہ محض جذباتی نہیں ہوتا بلکہ ہر احمدی کی زندگی میں بے شمار ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں خلیفۂ وقت کی محبت،رہنمائی اور دعاؤں کا ثمر ہوتا ہے۔اور ہر احمدی یہی سمجھتا ہے کہ خلیفۂ وقت مجھ سے ہی زیادہ پیار کرتے ہیں۔حالانکہ یہ چشمہ تو ہر کسی کو برابر سیراب کرتا ہے۔میں نے دیکھا ہے کہ ہر احمدی کے دامن میں ان محبتوں اور ایمان افروز یادوں کے خزانے ہیں۔

سنت خداوندی کے برعکس قیام خلافت کی کوشش اور اس کا انجام

پاکستان کو دولخت کرنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو سربراہ مملکت بن گئے ہیں۔کرسی کا نشہ،پھر اپنی ذہانت و فطانت کا غرور ہے۔پاکستان کے سربراہ بننے کے بعد عالم اسلام کی لیڈر شپ کے سنہرے خواب آنکھوں میں بسا کر ان کی تعبیر کے

لیے رواں ہیں۔ اس خواب کو پورا کرنے کے لیے پاکستان میں دنیا بھر کے مسلم سربراہان کی ایک میٹنگ فروری 1974ء کو لاہور میں منعقد کی جاتی ہے جس میں غلبۂ اسلام کے لیے بزعم خود ایک عظیم الشان اور نا قابل تسخیر پروگرام اور لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے۔ اس اجلاس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو اُمّتِ مسلمہ واحدہ کا روپ دینے کے لیے، بنیادی اینٹ، قیامِ خلافت کے بارے میں بھر پور بات ہوتی ہے۔ جس میں شاہ فیصل آف سعودیہ کو خلافت کا تاج پہنائے جانے کا پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے حصول میں ایک مشکل سدّ باب بن جاتی ہے۔ اُمّت مسلمہ کا تو صرف ایک ہی خلیفہ ممکن ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ جماعت احمدیہ کا بھی تو ایک خلیفہ ہے۔ اس کا کیا حل ہے۔ اس پر بعض احباب نے دولت اور طاقت کے نشہ میں جماعت احمدیہ کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کا ایک بہت ہی جامع منصوبہ تیار کرلیا۔ پھر محض دو ماہ کے بعد ملک بھر میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک خوفناک تحریک کا آغاز ہو جاتا ہے جس میں انسانی خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے اور معصوم جانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح موت کی نیند سلایا جاتا ہے، جائیدادیں لوٹی جاتی ہیں۔ لیکن مسیح کے غلام ''جان و مال و آبرو حاضر ہیں تیری راہ میں'' کی عملی تصویر بنے خدا تعالیٰ کے دربار میں سربسجود ہیں۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن۔

اس سنگین صورت حال میں دشمنانِ احمدیت کی مخالفت نے حسب سنت الٰہی جماعتی ترقی میں کھاد کا معجزانہ اثر دکھایا۔ جس کے نتیجہ میں جماعت کا پیغامِ حق اور تعارف بغیر کسی ظاہری تگ و دو کے دنیا کے بے شمار ممالک تک پہنچ گیا۔ الحمدللہ

ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات تھی جس میں آپ نے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ دنیا بھر کے اخبارات و جرائد میں جماعت احمدیہ کا بہت زیادہ مثبت چرچا ہوا ہے۔ روسی سربراہ مملکت نے اپنی عقل و دانش اور ایمان کے مطابق تبصرہ کرتے ہوئے کچھ یوں کہا کہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ نے بہت دانائی اور حکمت عملی کے ساتھ اپنی جماعت کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے۔

بہر حال شاہ فیصل صاحب کی خلافت کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اگلے سال 25/مارچ کو شاہ فیصل صاحب کے ایک اپنے ہی بھتیجے فیصل بن مساعد نے اپنی کسی ذاتی رنجش کی بنا پر انہیں قتل کر دیا۔

اتفاق سے اس حادثہ کے چند روز بعد جامعہ احمدیہ ربوہ میں سالانہ تقسیم اسناد کی تقریب تھی۔ اس سلسلہ میں جامعہ کی بلڈنگ کو ایک غریب دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اگلے روز اخبارات میں یہ خبر نمایاں تھی کہ شاہ فیصل کی ہلاکت کی خوشی میں ربوہ میں چراغاں کیا گیا ہے۔

صادق خلیفہ کی محبت اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے

سینیگال میں ایک معلم مکرم صالی جابی صاحب تھے۔ بہت ہی مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ جس روز حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا انتقال ہوا مکرم صالی صاحب کسی کام کے سلسلہ میں گھر پر نہ تھے۔ جب گھر واپس آئے تو انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی وفات کے بارے میں بتایا گیا۔ ان کی حالت دیدنی تھی۔ وہ زمین پر گر گئے اور کافی دیر ایک ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ یہ پیار، عشق اور فدائیت کس نے دُور دراز بسنے والی روحوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے جو خلفاء کرام کی محبت دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

خلافتِ حقہ کے لئے محبت

ایک دوست مکرم عبدالحمید صاحب بتاتے ہیں۔ 1983ء میں وہ قادیان تشریف لے گئے۔ ایک دن مسجد مبارک کے صحن میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جب عبدالحمید صاحب نے نماز ادا کر لی تو وہ نوجوان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا آپ پاکستان سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی میں پاکستان سے ہی آیا ہوں۔ نوجوان کہنے لگا۔ کیا آپ نے حضور کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا الحمدللہ دیکھا بھی ہے بلکہ معانقے بھی کئے ہیں۔ (یاد رہے اس دَور میں ایم ٹی اے نہیں ہوا کرتا تھا) اس پر وہ نوجوان کافی دیر تک اشتیاق بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ آخر میں کہنے لگا: کبھی ہم بھی دیکھیں گے۔

خلافت۔ تعلق باللہ

ایک عزیز بھائی ضیاء صاحب پاکستان سے جرمنی تشریف لائے۔ عدالت نے اسائیلم کیس کا فیصلہ اُن کے خلاف دیا اور پاکستان واپس بھجوانے کا حکم دیا۔ اس پریشان کُن صورت حال میں انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں حضور کا جواب ملا۔ جس میں ایک فقرہ یہ تھا: 'اللہ تعالیٰ آپ کا جرمنی میں رہنا مبارک کرے'۔ یہ عجیب فقرہ تھا۔ وہ کہتے ہیں بظاہر تو میری پاکستان کے لئے تیاری ہو رہی تھی لیکن چند ماہ بعد کچھ قوانین میں تبدیلی آگئی۔ جس کے پیش نظر نئے جج آگئے اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس طرح معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے آقا کی بات پوری فرما دی۔ خلافت کی برکت سے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

خلافت احمدیہ زندہ باد۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلافت کے ارفع و اعلیٰ مقام کو سمجھنے اور کما حقہ اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ از صفحہ 16: **بہادر شاہ ظفر**

صاحب آزردہ، جو صدر الصدور دہلی تھے، نے بجا طور پر لکھا ہے:

ہوا اچھا جو مٹا نام و نشانِ دہلی
کس کی پاپوش بنے مرثیہ خوانِ دہلی

داغؔ دہلوی، ظہیر دہلوی اور بے شمار شاعروں نے دہلی کے مرثیے لکھے ہیں جو بے حد متاثر کرتے ہیں۔ مگر آخر کار خدا تعالیٰ کے رحم و کرم نے جوش مارا۔ انسان خود ہی خدا کے غضب کا مورد بن جاتا ہے مگر توبہ و استغفار کرنے سے رحمت الٰہی میں سے حصّہ پا سکتا ہے۔ یہی حال بہادر شاہ ظفر کا ہوا۔ اس قدر مصائب دیکھے، بچوں کے قتل پر صبر کیا، ذلّت گوارا کی، وطن سے جُدا ہوئے، آخر کار خدا نے انہیں مغفرت کی چادر پہنائی۔

حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اپنی قلمی بیاض میں حسبِ ذیل واقعہ قلمِ خاص سے نقل فرمایا ہے:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دربار میں علی محمد خواجہ ساکن وزیر آباد نے اپنا رؤیا عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں بہادر شاہ بادشاہِ دہلی قبر سے زندہ ہو گئے ہیں۔ پوچھا آپ تو مر گئے تھے، آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو اس نے کہا کہ مجھ پر فضل ہوا۔''

حضرت بیدم وارثی نے سچ لکھا ہے کہ۔

اس کی کیا شرم نہ ہوگی تجھے اے شانِ کرم
تیرا بندہ جو ترے سامنے رُسوا ہو جائے

برصغیر کا آخری بادشاہ۔ بہادر شاہ ظفر

(عبدالرحمٰن شاکر)

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

جو عظیم مسلمان سلطنت بابر سے شروع ہوئی۔ وہ آخرکار 1857ء میں بہادر شاہ ظفرؔ پر ختم ہوئی۔ یوں تو مغل سلطنت شہنشاہ اورنگزیب کے بعد ہی تیزی سے زوال کی طرف جارہی تھی اسے شاہ عالم ثانی نے لارڈ کلائیو کو دیوانی عطا کرکے زوال کی رفتار کو تیز کر دیا تھا۔

بہادر شاہ ظفرؔ کے والد اکبر شاہ ثانی 1806ء میں تخت نشین ہوئے تو انگریز جنرل نے ملاقات کے لئے یہ شرط پیش کی کہ ہم بادشاہ کی خدمت میں دستور کے مطابق نذر پیش نہ کریں گے۔ حالانکہ آج تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام ملازمین بادشاہ دہلی کو نذر پیش کرنے کے پابند تھے۔ مجبوراً بادشاہ نے یہ شرط مان لی۔ پھر ساٹھ سال کی عمر میں بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوئے تو انگریزوں نے ان کو صاف سمجھا دیا کہ ان کے بعد ان کے خاندان میں سے کوئی تخت نشین نہ ہوگا اور اس بادشاہت کا خاتمہ سمجھیں۔ نیز آپ کے بعد آپ کی اولاد کو لال قلعہ خالی کرنا ہوگا۔ عملاً بادشاہ کی حکومت صرف لال قلعہ کے اندر تک محدود تھی۔ قلعہ میں ہر قسم کے فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ جگہ جگہ شہزادے لہو ولعب میں غرق نظر آتے تھے۔ مُجرے ہوتے تھے۔ تانیں اُڑتی تھیں اور عیاشی کے اڈے قائم تھے۔ ذوقؔ نے کہا تھا کہ

جن کو اسلام کا اس وقت میں دعویٰ ہے کمال
دیکھتا ہوں میں اسے ذوقؔ یہ ان کا احوال
جس طرح سے کہ ہنسا دینے کو بے دینوں کے
نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال

ویسے سراج الدین ظفرؔ بہادر شاہ ثانی ذاتی طور پر نیک نمازی، تہجد گزار، غریب پرور، سخاوت کا بادل اور بہت معقول آدمی تھے۔ مگر قلعہ کی اصل حالت سے اہلِ غرض انہیں بالکل بے خبر رکھتے تھے۔ اوپر سے آزادی کی لہر نے رہی سہی کسر نکال دی۔ غدر کے ہنگامے میں ہندو فوج اور ان کے مسلمان کمانڈر جنرل بخت خان نے اُور کام بگاڑ دیا۔ انگریزوں کو قتل کرنے لگے۔ اُن کے بنگلے لُوٹ لئے گئے۔ خود بادشاہ کے سمدھی حکیم الٰہی بخش انگریزوں کے جاسوس ثابت ہوئے۔ اسی نے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں میں پناہ لیں اور ساتھ ہی میجر ہڈسن سے کہہ دیا کہ بادشاہ تو وہاں پر ہے۔ بادشاہ اگر ذرا ہمّت کرتا تو وہاں سے بھاگ کر جان بچا سکتا تھا مگر میجر ہڈسن نے آن پکڑا۔ کسی نے بعد میں پوچھا کہ آپ بھاگ کیوں نہ گئے؟ تو جواب دیا کہ ''جوتا پہنانے والا کوئی نہ تھا''۔

میجر ہڈسن نے بادشاہ کو تو جان بخشی کا وعدہ دے دیا مگر لڑکے اور پوتے سات اشخاص کو کوٹلہ فیروز شاہ کے متصل دہلی دروازے میں پستول سے ہلاک کر دیا اور ستم یہ کہ ان کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے جا رکھے۔ بادشاہ نے دیکھ کر ایک سرد آہ بھری اور خاموش ہی رہ گئے۔ ہڈسن نے انہیں یہ بھی وعدہ دیا تھا کہ شہزادہ جواں بخت کو بھی امان دی جائے گی۔

کورٹ مارشل کے ماتحت لال قلعہ میں بادشاہ پر مقدمہ قائم ہوا۔ جب معتمد ہی خلاف گواہیاں دینے لگے تو بادشاہ کے بیان کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ انگریزوں کو تو صرف بہانہ چاہیے تھا کہ کسی طرح سلطنت کو ختم کریں۔ فیصلہ ہوا کہ بادشاہ، ملکہ زینت محل، شہزادہ جواں بخت، اس کی بیوی، اس کی ایک بچی اور چند جان نثار ملازمین کو رنگون میں جلا وطن کیا جاتا ہے۔

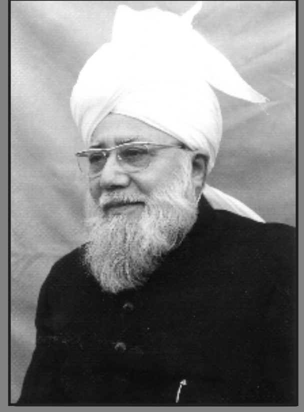
ناظرین ذرا اس وقت کا تصور فرمائیں جب 17/اکتوبر 1858ء بروز جمعہ بادشاہ بہادر شاہ ثانی ڈولی میں سوار ہو کر لال قلعہ سے نکلے۔ گوروں کا سخت پہرہ تھا۔ بادشاہ کی ڈولی کے پردے اُٹھا دیے گئے تھے، آنکھوں سے اشک رواں تھے، سفید داڑھی پر آنسو گر رہے تھے، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے۔ اور اس طرح جلاوطن بادشاہ دہلی کو خدا کے سپرد کر رہا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب سر محمد یامین خان میرٹھی اپنی ڈائری ''نامۂ اعمال'' میں لکھتے ہیں: ''بہادر شاہ ظفر کو فرسٹ کلاس کی ایک گاڑی میں دہلی سے کلکتہ بھجوایا گیا۔ وہ اصل گاڑی اجمیر کے ریلوے شیڈ میں موجود ہے۔''

کلکتہ میں پہلے ہی انگریزوں کے کشتۂ ستم واجد علی شاہ معزول شاہِ اودھ موجود تھے۔ انہوں نے شاہِ دہلی کے منصب اور بزرگی کا پورا پورا احساس کر کے درخواست کی کہ قدم بوسی کی اجازت دی جائے جو منظور ہوئی۔ دونوں بادشاہوں میں اس وقت کیا باتیں ہوئیں اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ واجد علی شاہ نے باوجود انگریزوں کے اسیر ہونے کے بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں کچھ تحائف پیش کیے مگر بے چارہ بہادر شاہ اس حالتِ اسیری میں کیا دیتا۔ اپنی تسبیح خاص عنایت کر دی۔ انگریز گورنر جنرل نے بھی بہادر شاہ سے ملاقات کے لئے عرض کیا مگر غیّور بادشاہ نے درخواست ٹھکرا دی۔ واجد علی شاہ نے جھک کر اکیس مرتبہ سلام کیا۔ دونوں دیر تک اشکبار رہے۔ برٹش حکام نے اس طریق سلام کو حیرت سے دیکھا۔

رنگون میں زندگی کے دن جوں توں کر کے بسر ہوتے رہے۔ چھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ اکثر اوقات یادِ خدا، تسبیح و تہلیل، استغفار میں گزرتے تھے۔ وظیفہ میں سے ایک کثیر رقم صدقہ و خیرات میں صرف ہوتی۔ جب بھی گزشتہ دنوں کی یاد، لال قلعہ کی شان و شوکت کی زندگی، عزیزوں اور رفیقوں کی یاد آتی ہوگی تو نہ جانے کیا کیا خیالات دل میں آتے ہوں گے اور خون کے آنسو بن کر نکلتے ہوں گے۔ رنگون میں یہاں تک حالت ہو گئی کہ ماش کی دال بھی ہضم ہونے لگی تھی۔

آخر کار غریب بہادر شاہ کے مصائب بھی 7/نومبر 1863ء کو ختم ہو گئے۔ ملکہ زینت محل 23 برس بعد 17/جولائی 1886ء کو محلاتی عیش کا غم و اندوہ سے کفارہ ادا کر کے بادشاہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ اس سے دو سال قبل 1884ء میں شہزادہ جواں بخت بمقام مولمین فوت ہو چکا تھا۔ قبر کا نشان بھی نہیں ملتا۔ مفتی صدر الدین

باقی صفحہ 15 پر ملاحظہ فرمائیں



حضرت خلیفۃالمسیح الثالثؒ کی حسین یادیں

(بشیر احمد رفیق خان)

یوں تو مجھے سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ قادیان میں 1945ء میں حاصل ہوا تھا جب میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں داخل ہوا تھا لیکن مضبوط، پُر محبت و پُر شفقت تعلق کی ابتدا 1949ء میں اس وقت ہوئی جب میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں فرسٹ ائیر میں داخل ہوا۔ حضورؒ ان دنوں کالج کے پرنسپل تھے اور یہ تعلیم الاسلام کالج کے عروج کا دَور تھا۔ حضورؒ کے حسن انتظام سے تعلیم الاسلام کالج لاہور نے دیگر تمام کالجوں کو ہر میدان میں مات کر دیا تھا۔

1965ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وصال ہوا تو میں مسجد فضل لندن کا امام اور برطانیہ کا مشنری انچارج تھا۔ مرکز سلسلہ سے ہزاروں میل دور ہم سب احمدیان برطانیہ مرکز کی طرف سے کسی خبر کی طرف کان لگائے بیٹھے تھے اور اس بات کا شدت سے انتظار تھا کہ مسند خلافت ثالثہ پر کون متمکن ہوتا ہے! اس کیفیت میں جب جماعت کے اکثر احباب مشن ہاؤس لندن میں جمع تھے، ہمارے انگریز مخلص احمدی بھائی جناب بلال نٹل مرحوم میرے دفتر میں میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ اگلا خلیفہ کون ہوگا لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ کون ہوں گے؟ میں حیران ہو گیا کہ ان کو قبل از وقت کیسے معلوم ہو گیا کہ کون مسند خلافت پر رونق افروز ہونے والے ہیں؟ میں نے انہیں کہا کہ ابھی تو انتخاب کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اس پر انہوں نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے ہاتھ میں دی اور شدّت جذبات سے گلوگیر آواز میں کہا یہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی تصویر ہے جو انہوں نے مسجد فضل لندن کے باغ میں کھنچوائی تھی اور مجھے از راہ شفقت دی تھی۔ میں ان دنوں سے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو جانتا ہوں جب وہ آکسفورڈ کے طالب علم تھے اور ان کے بے حد قریب رہا ہوں۔ تقوی اللہ، حسن اخلاق اور عشق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جھلک میں نے ان میں دیکھی ہے وہ مجھے اس یقین محکم پر قائم کرتی ہے کہ اس منصب جلیلہ کے اس وقت وہی اہل ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جماعت اس امانت کو ان ہی کے سپرد کرے گی۔

محترم بلال نٹل صاحب مرحوم کی موجودگی ہی میں مرکز سے بذریعہ تار یہ اطلاع ملی کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ خلافت ثالثہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں اور اس طرح ایک انگریز نَو احمدی کی دُور رس نگاہ نے اس گوہر بے بہا کو شناخت کرنے کی توفیق پائی جس سے اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں عظیم کام لینے تھے اور حضورؒ کی پارسائی، خدا ترسی، تقویٰ اور عشق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو یعنی مکرم بلال نٹل صاحب کو گواہ ٹھہرانے کا شرف عطا فرمایا۔

ڈیون شائر (انگلستان) کے علاقے میں ایک انگریز خاندان ایسا ہے جس کے ساتھ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گہرے تعلقات چلے آتے ہیں۔ اس خاندان کی کافی بڑی زرعی جائیداد اور اپنا ایک خوبصورت فارم بھی ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ جب آکسفورڈ میں طالب علم تھے تو موسمی تعطیلات میں مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی معیت میں اس فارم پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور خاندان کے ساتھ خوب گھل مل کر ایام رخصت گزارا کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی معیت میں خاکسار کو دو تین مرتبہ اس فارم پر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس دوران زیادہ تر پرانی باتیں دہرائی گئیں۔ صاحبزادگان، جو وقتاً فوقتاً اس فارم پر تشریف لاتے رہے ان، کا تذکرہ ہوتا رہا۔

اس خاندان کی ایک بڑی بوڑھی خاتون سے میں نے دریافت کیا کہ مجھے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے بارہ میں کچھ بتائیں کہ ان کا شغل فارم پر کیا ہوا کرتا تھا۔ بڑی بوڑھی کہنے لگیں کہ وہ سامنے کمرہ ہے جس میں ہمیشہ میرزا ناصر احمد ٹھہرا کرتے تھے۔ صبح صبح جب میں ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتی تھی تو عجیب سی بھنبھناہٹ کی مسحور کن آواز میرے کانوں میں آیا کرتی تھی جو اکثر میں وہاں کھڑی ہو کر سنا بھی کرتی تھی۔ ایک دن جب میں نے مرزا ناصر احمدؒ سے پوچھا کہ تم صبح سویرے کیا پڑھتے رہتے ہو جس میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تو ناصر احمد نے بتایا کہ وہ اپنی مقدّس کتاب قرآن کریم کی تلاوت باآواز بلند کرتے ہیں۔

اس خاتون نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شام کھانے پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمدؒ اور دوسرے صاحبزادگان موجود تھے۔ یہ ذکر چل پڑا کہ مستقبل میں ان کے کیا ارادے ہیں۔ ہر ایک نے بتایا کہ وہ مستقبل میں کیا بننا چاہتا ہے اور کس پیشے کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔ جب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی باری آئی تو آپؒ نے کہا کہ میں نے دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے علاوہ مجھے اور کوئی خواہش نہیں ہے اور نہ ہی مجھے دنیا کی طرف کوئی رغبت ہے۔ انگریزوں کو اور بالخصوص عیسائیوں کو دین سے تو چونکہ کوئی رغبت یا سروکار نہیں ہوتا اور دنیاداری کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے یہ خاتون کہنے لگیں کہ اس وقت میری زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے: What a waste of time? لیکن اب جب میں دیکھتی ہوں کہ وہ ایک بڑی جماعت کے سربراہ ہیں تو مجھے اپنے کہے پر ندامت ہوتی ہے کہ کتنا غلط فقرہ میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ حقیقی اور بامراد زندگی تو انہیں ہی ملی ہے۔

اس خاتون نے یہ بھی بتایا کہ حضورؒ اپنی جوانی میں بہت باحیا اور شرمیلی طبیعت کے مالک تھے۔ بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپؒ رخصتوں پر

ہمارے فارم تشریف لاتے تو اردگرد کے بچے آپؒ کو ملنے کے لیے جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ آپؒ جیب میں ان کے لیے چاکلیٹ وغیرہ رکھا کرتے تھے اور بچوں میں تقسیم کرنے میں بے حد خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ کھانے میں سختی سے یہ پابندی کرتے تھے کہ گوشت حلال ہو اور چونکہ حلال گوشت میسر نہ ہوتا تھا اس لئے خود مرغی اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے کھایا کرتے تھے۔ اس خاتون نے مجھے ایک تصویر بھی دکھائی جس میں حضورؒ خود مرغی ذبح کر رہے تھے۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ حضورؒ کو کوپن ہیگن میں دیکھا۔ آپؒ 1967ء میں کوپن ہیگن کی احمدیہ مسجد کے افتتاح کے لیے تشریف لائے تھے۔ میں کوپن ہیگن میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر آپؒ کے منور و تاباں چہرے پر پڑی تو دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ حضورؒ نے ازراہ شفقت گلے سے لگا لیا۔ دیر تک ملاقات کا شرف عطا فرمایا اور انتہائی پیار کا سلوک فرمایا۔

چند دن بعد حضورؒ انگلستان تشریف لے آئے۔ احباب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ لندن ائیر پورٹ پر استقبال کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک مختصر سا اسٹیج بنایا گیا تھا جہاں مائیکروفون کا بھی انتظام تھا۔ حضورؒ اپنے خدام کے ساتھ تشریف لائے۔ نعرہ ہائے تکبیر سے لندن ائیر پورٹ کی عمارت گونج اٹھی۔ مَیں نے عرض کیا کہ جماعت سے خطاب فرمائیں تو فرمانے لگے مجھے تو اپنے خدام سے ملنے کا شوق ہے تقریریں تو بعد میں ہوتی رہیں گی، میں سب سے مصافحہ کروں گا۔ سب احمدیوں کو شرف مصافحہ اور کچھ کو شرف معانقہ بخشنے کے بعد حضور مشن ہاؤس تشریف لائے۔

حضورؒ مشن ہاؤس میں مقیم ہوئے۔ میں ساتھ والی بلڈنگ 61 میلروز روڈ میں منتقل ہو گیا۔ اس بلڈنگ کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ تازہ صفائی اور پینٹ کروانے کی وجہ سے بو اور گرد و غبار بھی تھا۔ میں سارا دن حضورؒ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور رات گئے اپنے فلیٹ پر واپس آتا۔ ایک شام جب میں گھر گیا تو اپنی بڑی بچی امۃ الجمیل کو موجود نہ پایا۔ میری بیوی نے بتایا کہ اسے دوپہر کو بوجہ پینٹ کی تیز بُو اور گرد و غبار کے دمہ کا شدید حملہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے فوری ہسپتال میں منتقل کروا دیا ہے۔ میں دوڑا دوڑا ہسپتال پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ امۃ الجمیل آکسیجن کے ٹینٹ میں نحیف و نزار لیٹی ہوئی تھی اور بڑی مشکل سے سانسیں لے رہی تھی۔ میں گھبرا گیا اور ڈاکٹر سے، جو آن ڈیوٹی تھا، امۃ الجمیل کی صحت کے بارہ میں دریافت کیا۔ اس نے کہا بچی کی حالت نازک ہے اور بچنے کی امید کم ہے لیکن ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں واپس مشن ہاؤس پہنچا۔ حضورؒ عشاء کی نماز پڑھا کر جا چکے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر جمیلہ کی بیماری کا ذکر کر کے دعا کی درخواست کی۔ یہ درخواست کرتے وقت شدّتِ جذبات سے میری آنکھیں بہنے لگی۔ حضورؒ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کریں۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ جمیلہ کو شفا دے گا۔ میں بوجھل دل کے ساتھ گھر لَوٹا اور دعاؤں میں لگ گیا۔ رات آنکھوں میں کٹی اور فجر کی نماز کے لیے جب مسجد پہنچا تو حضورؒ نے فرمایا ہم نے رات کو جمیلہ کے لیے بہت دعائیں کیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت منصورہ بیگم صاحبہؒ نے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ کل رات حضورؒ کو بہت بے چینی رہی اور وہ جمیلہ کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا کہ فوراً ہسپتال جاؤ اور امۃ الجمیل کا حال دریافت کر کے مجھے اطلاع دو۔ میں ہسپتال گیا تو قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان دیکھا۔ امۃ الجمیل آکسیجن کے ٹینٹ کے باہر ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور چہرہ پُرسکون تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد غیر معمولی طور پر بچی کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوئی اور صبح تک معجزانہ طور پر اس کی حالت خطرے سے باہر ہو گئی۔ چند دنوں بعد امۃ الجمیل گھر آ گئی۔ یہ حضورؒ کی دعاؤں کی قبولیت کا زبردست نشان تھا کہ راتوں رات امۃ الجمیل کی کایا پلٹ گئی اور وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے حیات کی نعمت سے سرفراز ہوئی۔

حضورؒ کے اس دورہ میں قدم قدم پر قبولیت دعا کے نشانات جماعت احمدیہ یوکے نے دیکھے۔ سکاٹ لینڈ میں ایک مخلص احمدی محمد ایوب رہا کرتے تھے۔ یہ وہاں کی جماعت کے صدر بھی تھے۔ حضورؒ نے باتوں باتوں میں ان سے دریافت کیا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور! تین لڑکیاں ہیں۔ اس پر حضورؒ نے مسکرا کر فرمایا: It is time you had a son۔ ایوب صاحب نے مایوسی کے انداز میں جواب دیا کہ حضور! اب مجھے یہ امید نہیں ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہو گا۔ حضورؒ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ مایوسی گناہ ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جانا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ میں دعا کروں گا اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کے نتیجے میں ضرور تمہیں لڑکا عطا فرمائے گا۔ کچھ عرصے کے بعد ایوب صاحب نے حضورؒ کو خط لکھا کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا ہے۔ حضورؒ دعا کریں کہ اولادِ نرینہ عطا ہو۔ حضورؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا فرمائے گا۔ اس کا نام ابراہیم رکھنا۔ یہ اطلاع حضورؒ نے بچے کی پیدائش سے پانچ چھ ماہ قبل ایوب صاحب کو دی۔ ایوب صاحب نے حضورؒ کا خط مجھے دکھایا۔ میں نے انہیں مبارک باد دی۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ابراہیم کی ولادت ہوئی اور دعا کی قبولیت کا ایک زبردست نشان ہم سب نے دیکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ پُرخوری کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ اکثر بیماریاں پُرخوری سے جنم لیتی ہیں۔

مجھے یہ بھی سعادت ملی کہ حضور پرنورؒ کے سات دورہ ہائے یورپ اور دورۂ امریکہ میں حضورؒ کے قافلہ کا ممبر رہا۔ امریکہ کے دورہ میں حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہا۔ یورپ کے تمام دوروں میں حضورؒ کی کار چلانے کا اعزاز بھی مجھے حاصل ہوا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

مجھے گیارہ بجے صبح کافی پینے کی عادت ہے اور عین گیارہ بجے طبیعت کافی پینے کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے۔ میری اس عادت کا حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کو بھی علم تھا۔ 1967ء میں جب حضورؒ دورۂ یورپ پر تشریف لائے تو پروگرام میں سکاٹ لینڈ کا سفر بھی شامل تھا۔ مجھے حضورؒ کی کار کو ڈرائیو کرنا تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ بھی اس سفر میں ہمراہ تھے۔ لندن سے چلتے وقت چوہدری صاحب نے ازراہ تفنّن فرمایا کہ اب کیا کرو گے! حضورؒ تو گیارہ بجے کافی کے لیے نہیں ٹھہریں گے۔ میں نے عرض کیا چوہدری صاحب! خدا شکر خورے کو شکر دیا کرتا ہے۔ چوہدری صاحب ہنس پڑے۔ سکاٹ لینڈ کے لیے ہم لندن سے صبح روانہ ہو گئے۔ گیارہ بجنے سے پندرہ منٹ قبل مَیں نے موٹروے پر Services کا بورڈ دیکھا تو رفتار آہستہ کر دی اور services کی طرف مڑنے کا اشارہ دے دیا۔ حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ کار مڑنے کا اشارہ دیا ہے؟ مَیں نے عرض کیا سامنے services ہیں جہاں صاف ستھرے غسلخانے ہیں اور کچھ چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔ حضورؒ نے فرمایا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، مَیں بھی کچھ دیر کے لیے کار سے باہر آنا چاہتا تھا، غسلخانے سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔ جب مَیں نے کار

کھڑی کی اور حضورؒ کار سے باہر نکلے تو حضرت چوہدری صاحبؓ بے اختیار ہنس پڑے اور مجھے مخاطب ہوکر فرمایا: آخرتم گیارہ بجے کی کافی کے لیے ٹھہر ہی گئے! میں بھی ہنس پڑا۔ حضورؒ نے اصل بات دریافت فرمائی تو چوہدری صاحبؓ نے حضورؒ کو بتایا کہ امام رفیق کو گیارہ بجے کافی پینے کی عادت ہے اور جو گفتگو میری اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی لندن میں ہوئی تھی وہ بیان فرمائی۔ حضورؒ بھی ہنس پڑے اور مجھے یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بعد حضورؒ کا یہ معمول بن گیا کہ دوران سفر عین گیارہ بجے سے کچھ دیر قبل بار بار فرماتے: امام رفیق! کار کسی ریسٹورنٹ پر روکو تمہاری کافی کا وقت ہوگیا ہے۔

1971ء میں جب میں حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوا تو بھی حضورؒ ازراہ شفقت عین گیارہ بجے ڈاک دیکھتے دیکھتے ارشاد فرماتے تم جلدی سے نیچے جا کر کافی پی کر آؤ۔ میں ڈاک دیکھ لیتا ہوں۔ حضور اقدس نے پہلے ہی دن مجھے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میری کار اب تم ہی ڈرائیو کیا کرو۔ مجھے تمہاری ڈرائیونگ سے اطمینان اور سکون ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ سال تک جب تک میں ربوہ میں حضورؒ کا پرائیویٹ سیکرٹری رہا، مجھے یہ سعادت حاصل رہی۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جب میں حضورؒ کی کار ڈرائیو کر رہا تھا، حضورؒ اور بیگم صاحبہ حسب معمول پچھلی سیٹوں پر تشریف فرما تھے اور حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب میرے ساتھ اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ امام صاحب! کار بہت گرد آلود ہے اس کی صفائی کا انتظام بھی کیا کریں۔ حضرت میاں صاحب کی یہ بات حضورؒ کو بہت ناگوار گزری۔ حضورؒ نے نسبتاً اونچی آواز میں اُن کو مخاطب کر کے فرمایا: منور! یہ تو امام صاحب کا احسان ہے کہ ہماری کار ڈرائیو کرتے ہیں۔ وہ میرے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں، ڈرائیور نہیں۔ تم نے غلط بات کی ہے۔ کار کی صفائی ان کا کام نہیں۔ اس کے لیے اَور لوگ مقرر ہیں۔ شام کو جب حضورؒ ٹہلنے کے لیے باہر تشریف لائے تو بھی حضرت میاں صاحب کی بات پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

1971ء میں جب حضورؒ نے مجھے دوبارہ انگلستان کے لیے امام اور مشنری انچارج مقرر فرمایا تو مجھے ازراہ شفقت فرمایا کہ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہیں پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ سے ہٹایا جائے اور واپس انگلستان بھجوایا جائے لیکن مجھے انگلستان کی جماعت کے بہت سارے دوستوں نے لکھا ہے اور درخواست کی ہے کہ تمہیں واپس انگلستان بھجوا دیا جائے اس لئے بامر مجبوری واپس بھجوا رہا ہوں۔

روانگی سے دو دن قبل حضورؒ نے اپنے باغ میں شامیانے لگوا کر خاکسار کو دعوت طعام سے نوازا۔ جس میں خاندان مسیح موعودؑ کے معزز ارکان کے علاوہ بعض ناظران اور وکلاء صاحبان کو بھی مدعو فرمایا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔

ربوہ میں پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ پر کام کرنے کے دوران ایک روز مَیں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میری خواہش حضور انور اور بیگم صاحبہ کو دعوت طعام پر بلانے کی ہے لیکن میری حیثیت کا بھی مجھے علم ہے۔ حضورؒ نے فوراً فرمایا کیوں نہیں جب بھی کہو ہم تمہارے گھر کھانے پر آ جائیں گے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور دو چار دن میں انتظامات مکمل کر کے حضورؒ کو مع بیگم صاحبہ اور بعض صاحبزادگان کے اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ حضورؒ مع دیگر افراد خاندان تشریف لائے۔ میرے والدین، ایک بہن اور ان کے بچے بھی شامل تھے۔ رات گئے تک حضورؒ تشریف فرما رہے اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

سچی تبدیلی اور دل کی پاکیزگی کی طاقت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

''جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے۔ چاہیے کہ تمہاری طاقت روح کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور اُن سے مدد دی بلکہ یہ کہ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (المجادلۃ:23) یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہؓ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سوجھیں۔ کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ وطہارت و پاکیزگی سے اندرونی طور سے مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں۔ پس ہتھیار وہ چاہیے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدس و تطہّر ہے۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 628)

میرا گھر اگرچہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے بالکل ملحق تھا اور دفتر سے میرے گھر کا صرف چند قدم کا فاصلہ تھا لیکن پرائیویٹ سیکرٹری کا چارج سنبھالنے کے پہلے ہی روز حضورؒ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ تمہارا دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں سے دفتر آ جایا کرے گا۔ اور پھر ڈیڑھ سال تک یہ معمول رہا کہ عین دوپہر کے وقت کھانا اندر سے آ جاتا تھا۔ ایک دو مرتبہ میرے عرض کرنے پر کہ میرا گھر تو صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے، حضورؒ کے گھر سے کھانے کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ حضورؒ نے میری درخواست نامنظور فرمائی اور کھانا بدستور اندر سے ہی آتا رہا اور یہ سلسلہ میری انگلستان واپسی کے دن بھی جاری رہا۔

حضورؒ کی شفقتوں اور محبتوں اور پیار بھرے حسن سلوک کا مَیں جس قدر مورد رہا، مَیں ان سب کو احاطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔

مَیں نے حضورؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور انہیں ایک عظیم روحانی بزرگ، متقی اور باخدا انسان پایا۔ ان کا اندر اور باہر ایک تھے۔ بہت باحیا اور پردہ پوش شخص تھے۔ کبھی بات دل میں نہ رکھتے تھے۔ ناراض بھی ہو جاتے تھے تو بہت جلد معاف فرما دیتے تھے۔ میں نے جتنا عرصہ ان کے قریب کام کیا، اس سارے عرصہ میں وہ مجھ پر عنایات کی بارشیں کرتے رہے۔ میری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا بھی خیال فرماتے۔ ہمیشہ پیار سے ''امام رفیق'' کے نام سے یاد فرماتے۔ اپنے تمام یورپین دوروں اور امریکہ کے دورے میں اس عاجز کو شامل رکھا۔ پاکستان میں سربراہان مملکت اور بعض اہم سیاسی شخصیات سے ملاقات کے دوران اس عاجز کو اپنے ساتھ رکھا۔ یہی حال حضرت منصورہ بیگم صاحبہؒ کا تھا۔ وہ بھی مادر مہربان کی طرح اس عاجز سے سلوک فرماتی تھیں۔

خلافت کا ایک عظیم الشان مقصد۔ استحکامِ خلافت اور تمکنتِ دین

(چودھری ناز احمد ناصر۔ لندن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۃ النور آیت نمبر 56 کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی تصنیف ’’سر الخلافۃ‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’اس کی تفصیل کے متعلق اے عقلمند واور اعلیٰ فضیلت والو! جان لو تاکہ تم پر اس کی دلیل واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمان مردوں اور عورتوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور ان میں سے بعض مومنوں کو اپنے فضل اور رحمت سے خلیفہ بنائے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ پس یہ ایک ایسی بات ہے جس کا پورا اور مکمل مصداق ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پاتے ہیں جیسا کہ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ امر واضح ہے کہ ان کی خلافت کا زمانہ ایک خوف و مصائب کا زمانہ تھا کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوئیں اور بہت سارے منافق مُرتد ہو گئے اور مرتدین کی زبانیں دراز ہو گئیں اور جھوٹے دعوے داروں سے ایک گروہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور ان کے گرد بہت سارے بادیہ نشین جمع ہو گئے یہاں تک کہ مسیلمہ کے ساتھ قریباً ایک لاکھ جاہل اور فاجر لوگ آشامل ہوئے اور فتنوں نے جوش مارا اور مصائب بڑھ گئے اور قسم قسم کی بلاؤں نے دُور و نزدیک سے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اور مومن ایک سخت زلزلہ میں مبتلا کئے گئے اور مسلمانوں میں سے ہر فرد آزمائش میں ڈالا گیا اور خوفناک اور حواس کو دہشت ناک کرنے والے حالات پیدا ہو گئے اور مومن بے چارگی کی حالت کو پہنچ گئے۔ گویا ایک انگارا تھا جو ان کے دلوں میں بھڑکایا گیا یا یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ چھری کے ساتھ ذبح کر دیئے گئے ہیں کبھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے اور کبھی آگ کی مانند جلا دینے والے فتنوں کی وجہ سے روتے تھے اور امن وامان کا کوئی نشان باقی نہ رہا اور فتنوں میں پڑے ہوئے مسلمان ایسے مغلوب ہو گئے جیسے رُوڑی کے اُوپر اُگی ہوئی گھاس اُس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ پس مومنوں کا خوف اور گھبراہٹ بڑھ گیا اور اُن کے دل دہشت اور کرب سے بھر گئے تو ایسے وقت میں حضرت ابوبکر کو زمانے کا حاکم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا گیا۔ اسلام پر حالاتِ واردہ کی وجہ سے اور ان باتوں کی وجہ سے جو آپ رضی اللہ عنہ نے منافقوں، کافروں اور مرتدین کی طرف سے دیکھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ پر سخت غم طاری ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ موسم ربیع کی بارش کی طرح روتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے آنسو چشموں کی طرح بہتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے اسلام اور مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب میرے باپ خلیفہ بنائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے امرِ خلافت آپ رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا تو آپ نے خلیفہ بنتے ہی فتنوں کو ہر طرف سے موجزن پایا اور یہ کہ جھوٹے نبوت کے مدعی جوش میں ہیں اور منافق مرتد لوگ بغاوت پر آمادہ ہیں۔ سو آپ رضی اللہ عنہ پر اس قدر مصائب آپڑے کہ اگر پہاڑوں پر اتنی مصیبتیں نازل ہوتیں تو وہ ٹوٹ کر گر جاتے اور ریزہ ریزہ ہو جاتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو رسولوں کی طرح ایک صبر عطا کیا گیا یہاں تک کہ اللہ کی نصرت آئی اور جھوٹے مدعیان نبوّت قتل کئے گئے اور مرتد ہلاک کر دیئے گئے اور فتنوں اور مصائب کا قلع قمع کر دیا گیا اور معاملے کا فیصلہ کر دیا گیا اور امر خلافت مضبوط ہو گیا اور اللہ نے مومنوں کو مصیبت سے نجات بخشی اور ان پر خوف طاری ہونے کے بعد اسے امن میں بدل دیا اور ان کے دین کو مضبوط کر دیا اور مفسدین کے منہ کالے کر دیئے اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے ابوبکر صدیق کی مدد فرمائی اور سرکشوں اور بڑے بڑے بتوں کو تباہ کر دیا اور کفار کے دلوں میں رُعب ڈال دیا پس وہ شکست کھا گئے اور انہوں نے حق کی طرف رُجوع کیا اور سرکشی سے توبہ کی اور یہ غالب خدا کا وعدہ تھا جو تمام سچوں سے زیادہ سچا ہے۔

پس دیکھو کس طرح خلافت کا وعدہ اپنے تمام لوازم اور نشانات کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات میں پورا ہوا اور تمہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ تمہارا سینہ اس تحقیق کے لیے کھول دے اور غور کرو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے وقت مسلمانوں کی کیسی کمزور حالت تھی اور اسلام مصائب کی وجہ سے ایک جلے ہوئے شخص کی طرح تھا۔ پھر اللہ نے دوبارہ اسلام کو طاقت بخشی اور اس کو گہرے کنویں سے نکالا اور جھوٹے مدعیانِ نبوت سخت عذاب کے ساتھ قتل کیے گئے اور مرتدین چوپایوں کی طرح ہلاک کر دیئے گئے اور اللہ نے مومنوں کو اس خوف سے امن دیا جس میں وہ مردوں کی طرح پڑے ہوئے تھے اور مومن اس مصیبت کے دور ہوتے ہی خوشیاں منانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دینے لگے اور آپ رضی اللہ عنہ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے لئے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم میں جلدی کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی محبت اپنے دلوں میں بٹھاتے تھے اور تمام امور میں آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کے شکرگزار تھے اور انہوں نے اپنے دلوں کو جلا دی اور دل کے کھیتوں کو سیراب کیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے محبت میں بڑھ گئے اور پوری کوشش سے آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کو مبارک اور انبیاء کی طرح مؤید سمجھا کرتے تھے اور یہ سب کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سچائی اور گہرے یقین پر قائم ہونے کے سبب سے تھا۔ بخدا! وہ اسلام کے آدمِ ثانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے لیے مظہرِ اول تھے۔ گو وہ نبی نہیں تھے لیکن ان میں انبیاء کے قویٰ پائے جاتے تھے اور آپ

باقی صفحہ 12 پر ملاحظہ فرمائیں

دوسری قسط

اسلام پر صلیبی یلغار ...... اور
حضرت مسیح محمدی علیہ السلام (اور آپ کے غلاموں) کا کامیاب دفاع

(فضل الٰہی انوری)

برصغیر کے اندر اور پھر امریکہ میں اسلام کی تائید میں ظاہر ہونے والے ان زبردست واقعات کے بعد عیسائی پادریوں کو مسلمانوں کے خلاف یوں پبلک میں آنے اور انہیں للکارنے کی جرأت تو نہ ہوئی۔ تاہم انہوں نے اب اپنا طریقہ واردات بدل لیا۔ اور یہ سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد سے اب تک چلا آتا ہے۔ لیکن ایسے موقعوں پر جہاں عام مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء ان کا سامنے کرنے سے گھبراتے ہیں، وہاں حضرت مسیح محمدی کے غلام ہی ان پادریوں کا ناطقہ بند کرنے کی توفیق پاتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح جب عیسائیوں کے ایک بہت بڑے اجتماع کے موقع پر ایک عیسائی پادری نے قرآن کریم کے رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت بیان کر کے مسلمانوں کو اس کا جواب دینے کے لئے پکارا تو صرف مسیح محمدی کے ایک غلام کو اس پادری کا منہ بند کرنے اور یوں اسلام کی لاج رکھنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس معرکہ کی روئیداد جیسا کہ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ نے بیان فرمائی ہے، حسب ذیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''1909ء کی بات ہے کہ خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ کے ارشاد کے ماتحت لاہور میں مقیم تھا۔ ان دنوں لاہور میں گاہے گاہے مختلف مذاہب کی طرف سے جلسے کئے جاتے جن میں اشتہارات کے ذریعہ دیگر اہلِ مذاہب کو بلایا جاتا۔ دوسرے اسلامی فرقوں کے علماء میں سے تو بہت کم اس طرف توجہ کرتے لیکن ہم احمدی جب بھی عیسائیوں یا آریوں کی طرف سے دعوت دی جاتی، ان جلسوں اور مناظروں میں شمولیت اختیار کرتے۔ 1909ء میں مَیں ابھی نیا نیا لاہور پہنچا تھا کہ عیسائیوں کی طرف سے ایک بڑا پوسٹر شائع کیا گیا جس میں ایک مرتد عیسائی غلام مسیح (اس کا پہلا نام غلام محمد تھا)، نے مسلمانوں کو بحث کے لئے چیلنج دیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ قرآن کریم کے ذریعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت تمام انبیاء پر ثابت کرے گا اور مسلمانوں کو یہ بھی بتایا جائے گا کہ وہ غلام محمد سے غلام مسیح کیسے بنا۔''

فرماتے ہیں: اس جلسہ کا انتظام نیلا گنبد (لاہور) کے پاس ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔ اس کی بہت بڑے بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی اور مسلمانوں کو چیلنج دیا گیا کہ اگر ان کا کوئی عالم ہمارے پادری صاحب کی تقریر کے بعد اس کے فضیلتِ مسیح پر دیے ہوئے دلائل کا جواب دینا چاہے تو اسے اجازت ہوگی۔ چنانچہ اس مذہبی دنگل کو دیکھنے کے لئے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بھی اپنے علماء کو لے کر پہنچی ہوئی تھی۔ اس لیکچر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی صدارت لاہور کے بڑے بشپ نے کی جس کے ساتھ دیگر بہت سے انگریز پادری بھی دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا دجال کا پورا لشکر یہ نظارہ دیکھنے کے لئے بنفسِ نفیس وہاں موجود تھا۔ آگے فرماتے ہیں:

''پادری غلام مسیح نے تقریر شروع کرتے ہوئے تمہید میں کہا کہ مَیں فضیلتِ مسیح بر ہمہ انبیاء از روئے قرآن بیان کروں گا۔ جو علماء اسلام میرے لیکچر کی تردید میں کچھ کہیں وہ اس بات کی پابندی کریں کہ تردید از روئے قرآن ہو۔ جو حوالہ یا آیت وہ قرآن کریم کے علاوہ پیش کریں گے، وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔''

پادری مذکور نے اپنی تقریر میں فضیلتِ مسیحؑ از روئے قرآن کے ثبوت میں جو دلائل دیے، ان کا خلاصہ حسب ذیل تھا:

(1) مسیحؑ کے سوا کوئی اَور نبی بن باپ پیدا نہیں ہوا۔ یہ فضیلت صرف مسیحؑ کو حاصل ہے۔ بے شک آدمؑ کی پیدائش بھی بن باپ ہوئی مگر عَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی کے رُو سے وہ گنہگار اور گمراہ ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا مقابلہ معصوم مسیح سے نہیں کیا جا سکتا۔

(2) مسیحؑ کو قرآن میں غُلَامًا زَكِيًّا کہا گیا ہے یعنی پاک اور زکی بچہ۔ یہ خصوصیت بھی کسی اَور نبی کے حق میں بیان نہیں کی گئی۔

(3) تمام انبیاء میں سے صرف مسیحؑ کی والدہ کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نبی کی والدہ کا ذکر قرآن میں نہیں۔

(4) مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے خود توریت، انجیل اور کتاب سکھائی (اس تعلق میں پادری غلام مسیح کا اشارہ سورۃ آلِ عمران کی آیت 49 کی طرف تھا جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ)

(5) مسیحؑ کو قرآن کریم میں كَلِمَةُ اللّٰه کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہ خطاب بھی مسیحؑ کے سوا کسی اَور نبی کو نہیں دیا گیا۔

فرماتے ہیں، پادری موصوف کی اس تقریر کا جواب دینے کے لئے جو علمائے اسلام سٹیج پر آئے، انہوں نے اپنے دلائل قرآن کریم سے دینے کی بجائے توریت اور انجیل کی عبارات پڑھ پڑھ کر اپنا وقت ختم کیا۔ ان علماء میں مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی ثناءاللہ امرتسری جیسے جبہ پوش مولوی بھی تھے اور یہ وہ تھے جن کی ساری عمر حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کی مخالفت میں گزری مگر اسلام سے مرتد ہونے والے ایک پادری کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی۔ ان کے علاوہ مولوی محمد ابراہیم صاحب وکیل لاہور اور دیگر نامور علماء اہل اسلام نے بھی پادری موصوف کے دلائل توڑنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا مگر ان کی ہر تقریر کے بعد پادری غلام مسیح اٹھ کر کہہ دیتا کہ میری مطلوبہ شرط کے مطابق جواب نہیں آیا۔ چنانچہ اس نے بار بار اٹھ کر علمائے اسلام کی اس کمزوری کو واضح کیا اور اپنے دلائل کی برتری ثابت کرتے

ہوئے ہر بار یہ نعرہ لگایا کہ علماء کے میرے دلائل کو توڑ نہ سکنے سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کی رو سے مسیحؑ کی فضیلت سب انبیاء پر ثابت ہے۔ اس سے اہلِ اسلام کی بہت خفت ہوئی۔ اُدھر عیسائی تھے کہ فخر اور خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ جو اس جلسہ میں بعض دیگر احمدی احباب کے ہمراہ سٹیج کے قریب ہی بیٹھے تھے (آپ کی عمر اس وقت بمشکل تیس سال کی ہوگی یعنی آپ عمر کے لحاظ سے مذکورہ بالا علماء میں سب سے چھوٹے تھے) فرماتے ہیں کہ اچانک صدر مجلس نے میرا نام پکارا۔ آپؓ حیران ہوئے کہ میرا نام کس نے پیش کیا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ میرے مکرم دوست خدا بخش صاحب (مرحوم ومغفور) نے جو قریب ہی بیٹھے تھے، میرا نام خود ہی لکھ کر بھجوا دیا تھا۔

اب جونہی آپ خدا کا نام لے کر اٹھے تو ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ ایک تو آپ عمر کے لحاظ سے دیگر سب علماء سے چھوٹے تھے، دوسرے آپ نہ جبہ پوش تھے نہ کسی اَور قسم کا فاخرہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہیں سٹیج کی طرف آتا دیکھ کر مسلمانوں کے اندر زبردست بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ جونہی سٹیج کی طرف بڑھے تو بہت سے غیر احمدی علماء آپ کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے اور بڑی حقارت سے کہنے لگے کہ تم نے سٹیج پر جا کر کیا بولنا ہے؟ اپنا وقت ہمیں دے دو۔ آپ نے ان سے کہا کہ دوسرے علماء جو اَب تک بولتے رہے ہیں وہ، آپ سے بڑے اور علم میں بھی آپ سے بڑھ کر تھے، انہوں نے کیا کر لیا ہے جو آپ کر سکیں گے؟

اب یہاں ایک لطیفہ ہو گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”جس وقت اُن علماء کے ساتھ میری تکرار ہو رہی تھی تو صاحب صدر نے خیال کیا کہ اس شخص کا بولنا ہمارے لئے اَور بھی مفید ہوگا۔ چنانچہ اس نے اونچی آواز سے دوبارہ میرا نام پکارا اور سٹیج پر بلایا۔ مَیں جب سٹیج پر کھڑا ہوا تو میری وضع اور لباس دیکھ کر لوگوں نے مجھے جبہ پوش علماء کے مقابل پر بہت ہی حقیر خیال کیا اور سمجھا کہ اس آخری تقریر سے اسلام کی اَور بھی رسوائی ہوگی اور بہت سے مسلمان مرتد ہو جائیں گے۔“

مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ اِس موقع پر اُس کے مامور کے ایک غلام کے ذریعے اسلام کی برتری ظاہر ہو اور مسیحیت کے علمبرداروں کا منہ کالا ہو۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے سب سے پہلے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور پھر پادری غلام مسیح کی ایک ایک دلیل کو لے کر جواب دینے لگا۔

آپؓ کے جوابات اتنے مدلّل، مضبوط اور غلام مسیح کے پیش کردہ معیار کے عین مطابق تھے کہ جونہی آپ ایک دلیل ختم کرتے، ہال جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، خوشی کے نعروں سے گونج اٹھتا۔ ذیل میں آپ کے جوابات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

پہلی دلیل پادری غلام مسیح نے فضیلتِ مسیحؑ کے حق میں یہ دی ہے کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

اوّل: قرآن کریم نے بغیر باپ پیدائش کو کہیں بھی وجہ فضیلت قرار نہیں دیا۔ اگر ہے تو قرآن کریم سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

دوم: جو امر باعثِ فضیلت ہوتا ہے، وہ مقامِ مذمّت نہیں ہو سکتا مگر قرآن کریم بتاتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو اس کی وجہ سے موردِ سب و شتم ٹھہرایا گیا، جیسا کہ فرماتا ہے وَعَلٰی مَرْیَمَ بُھْتَانًا عَظِیْمًا۔ پس یہ کیا فضیلت ہوئی کہ پیدا ہوتے ہی ماں بیٹا دونوں لوگوں کے نزدیک باعثِ مذمّت بن گئے۔

سوم: حضرت مسیحؑ کو بن باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ۔ اس مماثلت میں حضرت آدمؑ کا پلہ بھاری نکلتا ہے کیونکہ ایک تو وہ بغیر ماں اور باپ پیدا ہوئے (یعنی خلق کئے گئے)، دوسرے ان پر اس وجہ سے کوئی الزام نہیں لگا۔

چہارم: پادری صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدمؑ فَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی کے رُو سے گنہگار اور گمراہ ٹھہرے، اس لئے غلط ہے کہ قرآن کریم نے ہی دوسرے مقام پر فرمایا ہے: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا یعنی حضرت آدمؑ سے بھول ہوئی، اس میں ان کا ارادہ شامل نہیں تھا۔ دوسرے ان کی شان یہ ہے کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں لکھا ہے کہ فرشتوں کو کہا گیا کہ انہیں سجدہ کرو اور انہوں نے سجدہ کیا۔ لیکن مسیحؑ معصوم ہو کر بھی اس علوّ مرتبت کو نہ پہنچ سکا بلکہ انجیل کی رُو سے چالیس دن تک شیطان ان کے پیچھے پڑا رہا کہ وہ اسے سجدہ کریں۔ پس پادری صاحب خود موازنہ کر لیں کہ وہ ہستی افضل ہے جسے فرشتے سجدہ کریں یا وہ جس کو شیطان کہے کہ مجھے سجدہ کر۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی رُو سے آدم گنہگار ہے تو قرآن کریم نے ہی حضرت مسیحؑ کو حضرت آدمؑ کا مثیل قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ۔ اس لئے اگر آدم گناہگار ہے تو مسیحؑ بھی گنہگار ہے۔

جونہی آپ نے اپنا جواب ختم کیا، حاضرین نے جن کی اکثریت اہل اسلام پر مشتمل تھی، ایک فلک شگاف نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

آگے فرمایا: **دوسری دلیل** پادری صاحب نے فضیلتِ مسیح کے حق میں یہ دی ہے کہ مسیح کی روح القدس سے تائید کی گئی جو کسی اَور نبی کے متعلق ثابت نہیں تو جواباً عرض ہے کہ:

اوّل: حضرت مسیحؑ کو تو روح القدس کی تائید حاصل ہوئی جو ایک فرشتہ تھا مگر حضرت آدمؑ کے اندر خود اللہ کی روح پھونکی گئی، جیسا کہ فرمایا:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ

یعنی ’جب میں اسے بنا لوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اسے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ‘۔ اور پھر ان کے اندر خدا کی روح پھونکے جانے کی وجہ سے ہی فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو سجدہ کریں اور سجدہ کرنے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ سارے کے سارے آپ کی تائید پر کمربستہ ہو جائیں۔ غرض حضرت مسیحؑ کو تو صرف ایک فرشتہ کی تائید حاصل تھی مگر حضرت آدمؑ کو سب فرشتوں کی تائید حاصل ہوئی۔ اس اعتبار سے حضرت آدمؑ حضرت مسیحؑ سے افضل ٹھہرے۔

دوم: اگر رُوح القدس (جو ایک فرشتہ ہے) کی تائید حاصل ہونا باعثِ فضیلت ہے تو پادری صاحب صحابہ رسول ﷺ کے بارے میں کیا کہیں گے جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ انہیں رُوحٌ مِنَ اللّٰہِ کی تائید حاصل تھی، جیسا کہ آیت اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ سے ظاہر ہے۔ پھر وہ وجہ فضیلت جو آنحضرت ﷺ کے متبعین کو حاصل ہے، خود آپ ﷺ کا صاحبِ فضیلت ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت کرتی ہے کیونکہ تابع کو جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ متبوع کے کمال کی بدولت ہی ہوتا ہے۔

تیسری دلیل پادری صاحب نے حضرت مسیح کی وجہ فضیلت کی یہ بیان کی تھی کہ انہیں قرآن کریم میں ”غُلَامًا زَکِیًّا“، یعنی ”پاک لڑکا“ ہونے کا خطاب دیا گیا

ہے۔اس کے بارے میں فرمایا کہ قرآن کریم ہمارے آنحضرت ﷺ کو ''مُزَکّی'' یعنی ''پاک کرنے والے'' کا خطاب دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آپؐ کے بارے میں یُزَکِّیْھِمْ (وہ پاک کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔اب پادری صاحب خود غور فرمالیں کہ وہ افضل ہوتا ہے جو خود پاک ہو یا وہ جس کی صحبت اور قوت قدسیہ سے دوسرے لوگ پاک اور مطہر بنیں۔

یہاں آپ نے دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل حضرت مسیح کے بارے میں ''زَکِیًّا'' کا لفظ خاص طور پر اس لئے آیا ہے کہ حضرت مریمؑ پر حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے بارے میں جو الزام عائد کیا گیا تھا (وَعَلٰی مَرْیَمَ بُھْتَانًا عَظِیْمًا) اس الزام کی تردید ضروری تھی، ورنہ ہر نبی ہی بچپن میں اور جوانی میں زکی اور پاک ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل حضرت مسیح کی فضیلت کی پادری صاحب کے نزدیک یہ تھی کہ آپ کی والدہ کا نام قرآن کریم میں مذکور ہے۔اس کے بارے میں آپ نے ایک تو یہ فرمایا کہ اگر پادری صاحب کے اس معیار کو تسلیم کیا جائے تو کیا وہ سارے لوگ اور دشمنانِ انبیاء جن کے نام قرآن کریم میں آتے ہیں، فضیلت مآب سمجھے جائیں گے!۔

دوسرے، قرآن کریم کا ایک مقصد اُن قصص اور واقعات کی حقیقت بیان کرنا ہے جن کے بارے میں صُحُفِ سابقہ کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ چونکہ حضرت مریمؑ اور ابنِ مریمؑ کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں بہت اختلاف پائے جاتے تھے، اس لئے ان کا نام لے کر اصل حقیقت واضح کی گئی۔ دیگر انبیاء کی اُمہات کا نام لینے کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ ان کے بارے میں اس قسم کا کوئی اختلاف سابقہ صحیفوں میں نہیں پایا جاتا۔

حضرت مسیحؑ کے حق میں دی گئی پادری موصوف کی **پانچویں دلیل** کہ انہیں قرآن کریم کے رُو سے کتاب اور حکمت نیز توریت اور انجیل سکھائی گئی، کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:

اوّل: حضرت مسیحؑ کو جو تعلیم اور حکمت سکھائی گئی وہ مختص القوم اور مختص الزمان تھی کیونکہ قرآن کریم کے نزدیک آپ صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، جیسا کہ فرمایا: وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ مگر آنحضرت ﷺ کو جو تعلیم دی گئی یعنی قرآن مجید، وہ عالمگیر تھی کیونکہ آپ ''رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ'' تھے۔ پس وہ نبی جسے ایک جامع اور عالمگیر تعلیم سکھائی گئی، اس سے زیادہ افضل ٹھہرا جسے صرف ایک قوم کی طرف بھیجا گیا۔

دوم: حضرت مسیحؑ کے بارے میں تو یہ آتا ہے کہ انہیں کتاب (توریت) اور حکمت سکھائی گئی مگر آنحضرت ﷺ کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ دوسروں کو کتاب اور حکمت سکھانے والے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ۔ ظاہر ہے کہ سکھانے والا یعنی (معلم)، سیکھنے والے کی نسبت زیادہ بہتر اور افضل ہوتا ہے۔

فضیلتِ مسیحؑ کے بارے میں دی گئی پادری صاحب کی **چھٹی دلیل** کہ انہیں قرآن کریم میں کَلِمَۃُ اللّٰہ کہا گیا ہے، کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر مسیحؑ کو کلمۃ اللّٰہ ہونے کی وجہ سے کوئی خصوصیت حاصل ہے تو ان کی اس خصوصیت میں کائنات کا ہر ذرہ شریک ہے کیونکہ فرمایا: لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّی۔غرض قرآن کریم کے نزدیک کائنات کی ہر شے کَلِمَۃُ اللّٰہ ہے۔

پس یہ کوئی وجہ فضیلت نہیں۔

آپ کے ہر جواب پر اہل اسلام جو پہلے ہی تحسین و آفرین کے نعروں سے آپ کی داد دے رہے تھے، آپ کے تقریر ختم کرنے پر باہر نکل آئے اور پچاس ساٹھ جوشیلے مسلمان نوجوانوں نے آپ کو کندھوں پر اٹھا لیا اور بار بار جَزَاکُمُ اللّٰہ، جَزَاکُمُ اللّٰہ کہنے لگے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ احمدی ہیں تو سب کہنے لگے کہ آخر احمدی بھی تو ہمارے بھائی ہیں۔ ان کے جوابات نے تو آج اسلام کی لاج رکھ لی ہے۔

ادھر پادری غلام مسیح جب حضرت مسیح محمدی کے اس غلام کے جواب میں تردیداً تو کچھ نہ کہہ سکا تو صرف اتنا کہا کہ اس مجیب نے اَور رنگ میں جوابات دیئے ہیں۔ گویا خدا نے اس مرتد کو بالکل لاجواب کر دیا اور اس طرح پر خدا کے مامور کی یہ پیشگوئی بڑے جلال سے پوری ہوئی کہ

''میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔''

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20۔صفحہ 409)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلاموں کے ہاتھ پر اسلام کی تائید میں اور عیسائیوں کو لاجواب کر دینے والے اس قسم کے واقعات نہ صرف برصغیر میں بلکہ ساری دنیا میں ظاہر ہو رہے تھے۔ چنانچہ ذیل میں مکرم الحاج بابو عبدالکریم احمدی کا بیان کردہ ایک واقعہ بیان کِیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنی فوجی ملازمت کے دوران ایک بار مصر میں تھے تو کس طرح انہوں نے بعض مصری مسلمانوں کو ایک امریکن پادری کے دام تزویر میں گرنے سے بچا لیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''مجھے معلوم ہوا کہ وہاں امریکن مشن کے پادری نے بہت سے مصری مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تیار کیا ہوا ہے۔ میں پادری صاحب کے پاس گیا۔ وہ 75 سال کے بوڑھے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا، بہت اچھا۔

مَیں نے دریافت کِیا کہ کیا کچھ اَور لوگ بھی عیسائی ہونے والے ہیں؟ اُس نے کہا، ہاں۔ چنانچہ اس نے بہت سے قبطی مسلمانوں کی فہرست مجھے دکھائی جو پندرہ روز بعد بپتسمہ لینے والے تھے۔ پادری صاحب نے کہا کہ آپ بھی ان کے ساتھ بپتسمہ لے لیں۔

مَیں نے خواہش کی کہ وہ مجھے ان سے ملوا دیں تو ان کی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے دو روز بعد ٹی پارٹی پر ان کو دعوت دی اور مجھے بھی بلایا۔ وہاں پادری صاحب نے میری طرف مخاطب ہو کر ان سے کہا، یہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور فوج میں اچھا عہدہ رکھتے ہیں۔ یہ بھی آپ کے ساتھ خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں گے۔

اس کے بعد مَیں نے ان قبطی مسلمانوں سے مصافحہ کیا اور اپنی نوٹ بک میں ان سب کے نام اور پتے لکھ لئے۔''

بابو صاحب فرماتے ہیں، ان سے فارغ ہو کر مَیں نے قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دعا کے لئے لکھا اور خود بھی دعا کرتا رہا کہ اے پیارے خدا تعالیٰ! ان کو اسلام پر قائم رکھنا۔

آپ اس سلسلے میں ہونے والی تائید ایزدی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میرے دل میں ڈالا گیا کہ ان سب مصریوں کی دعوت کرو۔ چنانچہ مَیں نے ان کوشام کے کھانے پر بلایا اور ایک ہوٹل میں اس دعوت کا انتظام کیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر مَیں نے ان سے دریافت کیا کہ چندروز بعد ہم عیسائی ہو جائیں گے اور ہم اور ہمارے عزیز سب مسلمان ہیں۔ کیا آپ نے پادری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ عیسائیت میں کیا امتیازی خوبی ہے جو اسلام میں نہیں تا عیسائی ہونے کے بعد ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو بتا سکیں کہ اس خوبی کی وجہ سے ہم عیسائی ہوئے ہیں۔ سب نے کہا نہیں۔ میں نے تجویز پیش کی کہ بپتسمہ لینے سے پہلے ہم اپنا ایک نمائندہ چن لیں جو پادری صاحب سے صرف یہ سوال کرے۔ اس کا تسلی بخش جواب مل جائے تو پھر ہم عیسائی ہو جائیں گے۔ سب نے اتفاق رائے سے مجھے اپنا نمائندہ چن لیا اور اپنے میں سے ایک صاحب کو مقرر کیا کہ وہ پادری صاحب کے سامنے میرا نام پیش کرے گا۔‘‘

فرماتے ہیں، اب جب جلسہ ہوا اور بہت سے لوگ جمع تھے جو زیادہ تر عیسائی تھے، تو اس مصری دوست نے پادری صاحب سے کہا کہ ہمارا نمائندہ آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہے۔ پادری صاحب نے دریافت کیا، وہ کون ہیں؟ مصری دوست نے خاکسار کا نام پیش کر دیا۔ اس کے بعد خاکسار اور پادری صاحب کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جس کے نتیجے میں پادری موصوف کی دجل وتلبیس سے تیاری کی ہوئی وہ ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہی، ایک دلچسپ روئیداد ہے جو مسٹر احمدی کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’میں کھڑا ہو گیا۔ پادری صاحب نے خیال کیا ہو گا کہ اس نے تو کہا تھا، مَیں عیسائی ہونا چاہتا ہوں، اس لئے اس سے کسی خطرناک سوال کا امکان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: آپ سوال کریں۔ میں نے کہا: پادری صاحب! ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارے عزیز و اقارب بھی مسلمان ہیں۔ وہ ہم سے دریافت کریں گے کہ ہم عیسائی کیوں ہوئے۔ ان کو جواب دینے کے لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں عیسائیت کی کوئی ایسی امتیازی خوبی بتائیں جو اسلام میں نہ ہو تا کہ ہم بتا سکیں کہ اس خوبی کی وجہ سے ہم عیسائی ہوئے ہیں۔

پادری صاحب کہنے لگے، میرے بچے! اِس وقت آپ عیسائیت کے محل کے دروازے کے باہر کھڑے ہیں، جب آپ اندر داخل ہو جائیں گے تو آپ کو سب خوبیوں کا پتہ لگ جائے گا۔

میں نے کہا: پادری صاحب! مجھے آپ سے اتفاق ہے مگر آپ تو محل کے اندر ہیں، آپ ہمیں کوئی ایک امتیازی خوبی بتا دیں تا کہ ہم محل کے اندر داخل ہو کر اس کی تصدیق کر سکیں۔ پادری صاحب کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر بولے:

"Well my boy! you will get faith in Christianity."

یعنی ’میرے بیٹے! آپ کو عیسائیت میں داخل ہو کر سچا ایمان نصیب ہو جائے گا‘۔

فرماتے ہیں: پادری صاحب کے یہ جواب دینے پر مَیں مصری احباب سے مخاطب ہوا اور ان سے کہا: ’’بھائیو..... پادری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہم عیسائی ہو جائیں تو ہم کو ایمان نصیب ہو گا۔ اسلام میں تو ہمیں علم ہے کہ اگر غیر مسلم کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسولُ اللّٰہ پڑھ لے اور اس کو دل سے مان لے تو وہ مومن ہو جاتا ہے، یعنی اس کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ آگے وہ اس ایمان کو اعمالِ صالحہ سے ترقی دیتا رہتا ہے۔ پھر مَیں پادری صاحب سے دوبارہ مخاطب ہوا۔

’’مَیں نے پادری صاحب سے دریافت کیا کہ عیسائیت میں جو ایمان ہمیں نصیب ہو گا، کیا وہ اُس سے زیادہ قیمتی ہو گا جو ہمیں اسلام پر ہوتے ہوئے حاصل ہے۔ پادری صاحب نے فرمایا: ’ہاں! ہاں! بہت قیمتی ایمان ہو گا‘۔

مَیں نے کہا: ’پادری صاحب! کیا مَیں اس کو Test کر سکتا ہوں یعنی آزما سکتا ہوں۔ پادری صاحب کہنے لگے، کیسے آزماؤ گے؟

مَیں نے کہا، خداوند یسوع مسیح نے انجیل میں فرمایا ہے کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو تم وہ معجزات دکھا سکتے ہو جو مَیں نے دکھائے ہیں۔ پادری صاحب! آپ خود پادری ہیں، آپ کے باپ دادا بھی پادری تھے۔ آپ کی عمر 75 سال ہے، آپ نے بہت سے غیر عیسائیوں کو عیسائی بنایا ہے۔ آپ کے پاس تو ایمان کا خزانہ موجود ہے۔ لیکن اگر مَیں آپ سے کہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے دریائے نیل کو خشک کر دیں تو اس سے مصر میں تباہی ہو گی اور اگر کہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے سامنے والے پہاڑ میں زلزلہ برپا کر دیں تو اس سے بھی مصر میں تباہی ہو گی۔ پھر مَیں نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور پادری صاحب کی میز پر رکھ دی۔ مَیں نے کہا، پادری صاحب! مسمریزم جاننے والے اس سے زیادہ کرتب دکھاتے ہیں، مگر مَیں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے اس نوٹ بک کو جو آپ کی میز پر مَیں نے رکھی ہے، پانچ منٹ تک dance کروا دیں اس سے ہم سمجھ لیں گے کہ واقعی آپ کے اندر رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اور ہم سب عیسائی ہو جائیں گے۔‘‘

فرماتے ہیں، اس تمام گفتگو کو جو میرے اور پادری صاحب کے درمیان ہوئی لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سنا اور سب منتظر تھے کہ پادری صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ پادری صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"Well my boy! I am still trying to achieve the faith."

یعنی ’میرے بچے! میں ابھی اس ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں‘

فرماتے ہیں: پادری صاحب کے اِس جواب کو سن کر مَیں دوبارہ کھڑا ہو گیا اور اب مصری احباب سے مخاطب کر کے مَیں نے کہا:

’’بھائیو! پادری صاحب مرنے کے قریب ہیں مگر ابھی تک ان کو رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نصیب نہیں۔ گویا پکّے بے ایمان ہیں اور جن کو انہوں نے عیسائی بنایا، ان کو بھی پکّا بے ایمان بنایا ہے۔ جب ان کا اپنا یہ حال ہے کہ 75 سال کی عمر تک رائی کے دانہ کے برابر ایمان نصیب نہیں ہوا تو ہمارا کیا حال ہو گا۔ اس سے تو ہم کو ہمارا مذہب اسلام ہی مبارک ہو اور مَیں نے زور سے کہا: یعیش الاسلام یعنی اسلام زندہ باد، چلو چلیں۔ ہم باز آئے بے ایمان ہونے سے۔

مَیں باہر چل پڑا اور میرے ساتھ سب مصری مسلمان بھی اس جلسہ سے باہر آ گئے۔ ایک ہوٹل میں پہنچ کر مَیں نے ان سب کو چائے پلائی اور انہیں تاکید کی کہ پادریوں کے جال میں نہ پھنسیں۔

اس کے بعد بھی مَیں ان کو ملتا رہا اور لٹریچر دیتا رہا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ سب کے سب اسلام پر قائم رہے۔ فالحمدللّٰہ علٰی ذٰلک‘‘

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)
